مجلس ادارت

سلسلۂ اسلام اور مستشرقین

فروری ۱۹۸۲ء میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر دارالمصنفین کے اہتمام میں جو بین الاقوامی سمینار ہوا تھا، اس کے سلسلہ میں اسی عنوان پر دارالمصنفین نے ایک اہم اور نیا سلسلۂ تالیفات شروع کیا ہے، جس کی اب تک پانچ جلدیں مرتب ہو چکی ہیں۔

جلد ۱ اس میں جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب کے قلم سے اس سمینار کی بہت ہی مفصل اور دلچسپ روداد قلم بند ہوئی ہے۔ قیمت ۲۰ روپے۔

جلد ۲ اس میں وہ تمام مقالات جمع کر دیے گئے ہیں جو اس سمینار میں پڑھے گئے تھے اور جو معارف ۸۲ء سے لے کر ۸۳ء تک سلسلہ وار شایع بھی ہو چکے ہیں۔ قیمت ۳۴ روپے

جلد ۳ اس میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر سمینار کے علاوہ جو مقالات لکھے گئے ہیں، اور معارف میں شایع بھی ہو چکے ہیں، جمع کر دیے گئے ہیں۔ قیمت ۳۳ روپے۔

جلد ۴ تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں علامہ شبلی نعمانیؒ کے تمام مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ قیمت ۳۳ روپے۔

جلد ۵ اسلامی علوم و فنون سے متعلق مستشرقین کی قابل قدر خدمات کے اعتراف کے بعد ان کے اسلام اور تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر اعتراضات کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی کے تمام مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ روپے۔

"منیجر"

جلد ۱۴۴ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۰ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۸۹ء عدد ۴

مضامین

شذرات

اترپردیش کی کابینہ نے اتفاق رائے سے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کی جو تجویز منظور کی تھی اب ریاستی اسمبلی و کونسل نے بھی اس کی توثیق کر دی ہے، بھارتیہ جنتا پارٹی کی مخالفت، شور و غل، ہنگامہ آرائی اور تشدد کے باوجود یہ بل منظور ہو گیا جس میں اترپردیش راج بھاشا ایکٹ مجریہ ۱۹۵۱ء میں دفعہ ۲ کے تحت مندرجہ ذیل دفعہ بڑھا دی جائے گی "اردو زبان بولنے والوں کے مفاد میں دوسری راج بھاشا کی شکل میں اردو کا استعمال ایسے مقاصد کے لئے کیا جائے گا جن کو ریاستی حکومت بذریعہ نوٹی فکیشن مقرر کرے" اس طرح اب حکومت اس کی مجاز ہو گئی کہ وہ وقتاً فوقتاً جن مقاصد کے لئے ضروری سمجھے اور جہاں ضروری سمجھے اردو کو دوسری سرکاری زبان کے طور پر استعمال کرنے کے لئے نوٹی فکیشن جاری کرے۔

بل میں بہار میں راج بھاشا ایکٹ میں ترمیم کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ وہاں کی ریاستی حکومت نے ہندی کے ساتھ اردو کو دوسری سرکاری زبان کی شکل میں ان مقاصد کے لئے استعمال کئے جانے کی ہدایت کی ہے (۱) اردو میں عرضیوں اور درخواستوں کو لینا اور ان کا اردو میں جواب دینا (۲) اردو میں دستاویزوں کا رجسٹریشن (۳) اہم سرکاری قوانین و ضوابط اور نوٹی فکیشن کا اردو میں اجرا (۴) عوامی اہمیت کے سرکاری احکام اور سرکلر کا بھی اردو میں ہونا (۵) اہم سرکاری اشتہارات کا اردو میں شائع ہونا (۶) ضلع گزٹ کا اردو میں شائع ہونا (۷) اہم سائن بورڈوں کا اردو میں لگایا جانا، کہا گیا ہے کہ یہ انتظام بہار میں خوش اسلوبی سے چل رہا ہے اور عوام میں مقبول ہے، اس لئے بہار کے طرز پر طے کیا گیا ہے کہ اس ریاست میں بھی اسی نوعیت کا انتظام کیا جائے، اسی مقصد سے یہ ترمیمی بل پیش کیا جا رہا ہے۔

اردو نہ صرف بہار و اترپردیش بلکہ پورے ملک کی ایک بڑی آبادی کی مادری زبان ہے، اس کے جائز، جمہوری اور آئینی مطالبہ کو کوئی سیکولر اور انصاف پسند حکومت بہت دنوں تک نظر انداز نہیں

کر سکتی تھی، کانگریس نے ۱۹۸۹ء کے انتخابی منشور کی رو سے اردو کو اترپردیش کی دوسری سرکاری زبان بنانے کی پابند تھی یہ بل منظور کر کے اس نے برسوں پہلے کئے جانے والے اپنے وعدہ کو پورا کیا ہے، اردو کا یہ اور دوسرے حقوق بہت پہلے مل جانا چاہئے تھا، مگر فرقہ پسند اور تنگ نظر سیاست دانوں نے ہمیشہ اردو کے مسئلہ کو فرقہ وارانہ اور سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی ہے اس لئے اترپردیش میں اردو کے متعلق اعلان ہوتے ہی شرپسند عناصر اور ہندی کے پرجوش حامیوں پر اس کی مخالفت کا جنون سوار ہو گیا اور بدایوں میں قتل و خوں ریزی، وحشت و درندگی اور لوٹ و غارت شروع ہو گئی جس میں حکومت کی غفلت سے بڑا جانی و مالی نقصان ہوا، اردو والے بھی مشتعل ہو گئے، ان کو ضبط و تحمل سے کام لے کر شرپسندوں کے عزائم کو ناکام بنا دینا چاہئے تھا۔

اترپردیش حکومت کے اس فیصلہ پر مختلف قسم کا ردعمل ظاہر کیا جا رہا ہے، ایک طرف تو لوگ جوش مسرت سے جھوم رہے ہیں اور دوسری طرف اسے انتخابی حکمت عملی سمجھ کر بے نتیجہ اقدام قرار دیا جا رہا ہے، وزیر اعلیٰ نے کہا ہے کہ "اردو کی تعلیم پرائمری سطح پر تو لازمی کی جا رہی ہے اور نہ ملازمتوں کے ضمن میں اس کی کوئی قید لگائی جا رہی ہے۔" اس کے بعد حکومت کے فیصلہ کو انقلاب انگیز اقدام سمجھ کر زیادہ خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اردو کو اترپردیش میں پہلے ہی سے یہ سہولتیں حاصل تھیں جن کو انتظامیہ مسلسل نظر انداز کرتی رہی ہے اور اب بھی اس کی جانب سے رکاوٹیں پیدا کی جائیں گی، لیکن حکومت اردو کو دوسری سرکاری زبان مان لینے کے بعد اس کی پابند ہو گئی ہے کہ وہ مذکورہ بالا مقاصد کے لئے اردو کے استعمال کی سہولتیں فراہم کرے اور اسے انتظامیہ کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے، حکومت کو اپنے فیصلہ پر واقعی عمل کر کے ایک نئے باب اور نئے دور کا آغاز کرنا چاہئے۔

اردو کے بعض حلقوں کا یہ مطالبہ بجا ہے کہ "سہ لسانی فارمولے میں شامل کر کے آٹھویں درجہ تک اردو کی لازمی تعلیم کا بندوبست ریاست کے ہر اسکول میں کیا جانا چاہئے" اردو والوں کو اردو سے بے بہرہ کر دینے کے لئے ۴۲ سال سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح اسکولوں سے جو نکال باہر کیا گیا تھا اب اس پالیسی کو چھوڑ کر اسکولوں کا دروازہ اردو کے لئے کھول دینا چاہئے اس کے بغیر اردو والے مطمئن نہیں ہو سکتے، بل میں اس کا ذکر نہ ہونے کے باوجود مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، حکومت کے موجودہ فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور اردو کے

غ و ترقی کے لئے سرگرم جدو جہد رکھنی چاہیے، حکومت کا یہ اعلان اردو کے تحفظ و بقا کی ضمانت نہیں ہے کہ اس پر اطمینان کرلیا جائے

اس وقت ملک کی فضا نہایت مسموم ہوگئی ہے، جگہ جگہ سے فرقہ وارانہ فساد کی خبریں آرہی ہیں، اترپردیش کانگریس آئی کے صدر
نے کہا ہے کہ بدایوں کا فساد آر۔ ایس ایس نے کرایا ہے اور جنتادل کے ایک لیڈر کا نام لے کر بتایا کہ انہوں نے حملہ آوروں کی قیادت
۔ مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ نے اپنی ریاست کے شہروں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فساد میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا ہاتھ بتایا۔
الف پارٹیاں کانگریس کو مورد الزام قرار دے رہی ہیں، یہی ہر فساد کے بعد ہوتا ہے، کیا فسادات کا یہی حل ہے کہ مجرموں کی
ان دہی کر کے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، جب حکومت امن و امان اور لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ دار ہے تو ایسے
اد میں ملوث اشخاص اور اس پر قابو نہ پانے والی انتظامی مشینری کے خلاف کارروائی کرنے میں کیوں ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔
کانگریس کے صدر کچھ لوگوں کو فساد کا واقعی ذمہ دار سمجھتے ہیں تو اپنی حکومت کو ان کے خلاف سخت قدم اٹھانے کا مشورہ
وں نہیں دیتے اور مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ کو فسادیوں کے خلاف کارروائی کرنے میں کیا مانع ہے؟

بہار میں ہونے والے فسادات کے پیش نظر مولانا منت اللہ رحمانی کی دعوت پر ۱۷ ستمبر کو دفتر امارت شرعیہ میں مختلف مکاتب فکر
ے لوگوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ ضبط و تحمل سے کام لیں اور کسی حال میں مشتعل نہ ہوں، اگر ان پر فساد
سلط ہی کردیا جائے تو وہ ہمت اور بہادری کے ساتھ اپنا دفاع کریں، سیکولر اور جمہوری پارٹیاں سیاسی مفاد سے بالاتر ہو کر فرقہ وا
اریت کا مقابلہ کریں، ۱۸ ستمبر کو امیر شریعت کی قیادت میں ایک وفد اجتماع کی تجویزوں پر گفتگو کے لئے وزیر اعلیٰ بہار سے ملا جس میں
یف سکریٹری اور ڈائرکٹر جنرل پولیس بھی موجود تھے، وزیر اعلیٰ نے قبرستان، عیدگاہ، امام باڑہ اور مسجد کی زمینوں کے تنازعے کو تین ماہ کے
در حل کئے جانے اور ضلع حکام کو سرکاری خرچ سے قبرستانوں کی گھیرابندی کے لئے فنڈ مہیا کرنے کی تاکید کی، فساد زدہ علاقوں میں
صوصی عدالت تشکیل دے کر مقدمات کی فوری سماعت کا انتظام کرنے کی ہدایت کی، پولیس میں مسلمانوں کو دس فیصد اور اینٹی رائٹ
ورس میں تیس فیصد نمائندگی دینے کے مطالبہ پر فوری عمل درآمد کی ہدایت کی، وزیر اعلیٰ نے وفد کی دوسری باتیں بھی کم و بیش منظور کرلیں اور
ن پر خوشی ظاہر کی کہ پہلی بار مسلمانوں کے مسائل مرتب شکل میں ان کے سامنے لائے گئے جن کے بارے میں ان کی حکومت پوری طرح
سنجیدہ ہے اور وہ ان کو حل کرنے کے لئے ضروری اقدامات کریں گے۔ مولانا منت اللہ صاحب نے فسادات کی بیخ کنی کے
لئے جو مبارک و موثر قدم اٹھایا ہے اس کی تقلید دوسرے صوبوں کے مسلم رہنماؤں کو بھی کرنی چاہیے۔

مقالات

صحابہ کرامؓ کے صحف احادیث

از
مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، مبارک پور اعظم گڈھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں احتیاطاً صحابہ کرامؓ کو احادیث کی کتابت سے منع فرمایا تھا، مگر جلد ہی آپ نے اس کی اجازت دے دی اور بہت سے صحابہ آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کی احادیث لکھنے لگے اور ان کے پاس حیات نبوی ہی میں احادیث کے صحیفے اور نسخے اچھی خاصی تعداد میں جمع ہوگئے، مگر متعدد صحابہ شدت احتیاط اور اپنے حافظہ پر اعتماد کی وجہ سے کتابت حدیث میں احتیاط برتتے رہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا مگر بعد میں اس کو ضائع کردیا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احادیث و سنن جمع کرنے کا ارادہ کر کے صحابہ سے مشورہ کیا ان حضرات نے اس کے حق میں رائے دی مگر احتیاط کی وجہ سے یہ کام نہیں کرسکے، البتہ اہل علم کو کتابت حدیث کی تاکید کرتے تھے، البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے احادیث کا ایک صحیفہ مرتب کیا جس کی روایت کی گئی۔ پہلی صدی کے نصف اول ہی میں کتابت حدیث کا رواج بالکل عام ہوگیا تھا، حتیٰ کہ جو صحابہ اس کے حق میں نہیں تھے ان کے اصحاب و تلامذہ بھی ان کی احادیث لکھ کر ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اور وہ انکار کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے اس کو قبول کرلیا، اور جو صحابہ عہد رسالت میں احادیث لکھتے تھے ان کے اصحاب و تلامذہ ان کی احادیث لکھتے تھے اور وہ اس کی روایت کی اجازت دیتے

تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی صدی ہی میں جب کہ اجلہ صحابہ موجود تھے تابعین کے طبقہ علیا کے اہل علم نے احادیث کا بہت بڑا تحریری ذخیرہ جمع کر لیا تھا، اور اسی دور میں وہ اس کی روایت اپنے شاگردوں سے کرتے تھے، یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ احادیث نبویہ پہلی صدی کے بعد مرتب و مدون کی گئی ہیں اور اس سے پہلے کتابی شکل میں نہیں تھیں یہود و نصاریٰ اور مستشرقین کا یہ پروپیگنڈہ کہ حدیثیں بہت بعد میں جمع کی گئی ہیں، اور ابتدائی دور میں ان کی نقل و کتابت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسلام دشمنی کا بدترین مظاہرہ ہے۔
اہل علم نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ کتابت احادیث کا رواج عہدِ رسالت ہی میں ہو گیا تھا اور صحابہ اور تابعین کے پاس احادیث کے تحریری ذخیرے وافر مقدار میں موجود تھے، جن کی وہ روایت کرتے تھے۔ یہ مضمون بھی اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے۔

صحیفہ حضرت علیؓ اور اس کی روایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جو صحیفہ علی کے نام سے کتابوں میں مذکور ہے، اس میں دیت، قصاص اور مسلمانوں کے باہمی حقوق کے بارے میں حدیثیں تھیں، اس صحیفہ کی روایت ان کے تلامذہ نے کی ہے۔
حضرت علیؓ کے ایک معتمد خاص ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ سوائی کوفیؒ متوفی ۷۴ھ ہیں، ان کو حضرت علی وہب الخیر فرمایا کرتے تھے اور سامان کے خمس وصول کرنے پر مامور کیا تھا، نیز ابو جحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محافظین کے سربراہ تھے۔[1] ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۴

کی احادیث میں سے کوئی چیز ہے؟ تو کہا کہ :-

لا، والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ الا ان یعطی اللہ عبداً فہماً فی کتابہ وما فی ھذہ الصحیفۃ۔	نہیں اس ذات کی قسم جس نے زمین سے دانا اگایا اور جسم میں جان ڈالی، البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کی سمجھ دے دے۔ (مجھے دی ہے) اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔

میں نے دریافت کیا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے آپ نے بتایا کہ :-

العقل وفکاک الاسیر وان لا یقتل مسلم بکافر	اس میں دیت اور مسلمان قیدی کے آزاد کرنے کرانے اور کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کئے جانے کے بارے میں احادیث ہیں۔

ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ اس صحیفہ کے محتویات کے متعلق دو باتیں حضرت علیؓ سے مروی ہیں، دوسری بات یہ کہ اس میں مدینہ کی تحریم و تعظیم، اور غیر موالی کی طرف نسبت کرنے والے پر لعنت کا ذکر ہے جس کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے، اور یہ کہ تمام مسلمان خون کے بارے میں برابر ہیں، ان کے دیت و قصاص میں کوئی فرق نہیں ہے، اس کو بیان کر کے ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے :-

رواہ عن علیؓ یزید التیمی وخلاس[1]	اس کی روایت حضرت علیؓ سے یزید تیمی اور خلاس نے کی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اس صحیفہ کی روایت حضرت علیؓ سے کم از کم ان کے دو تلامذہ

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۱ کتاب میں جلاس غلط چھپا ہے۔

نے کی ہے، اور انھوں نے اپنے تلامذہ سے اس کی روایت کی۔

یزید بن شریک بن طارق تیمی کوفیؒ نے ایک روایت کے مطابق زمانہ جاہلیت پایا ہے، وہ ثقہ محدث تھے ان کے پاس احادیث تھیں، وہ اپنے قبیلہ کے نمایندہ اور معزز شخص تھے، حضرت علی رض کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت ابوذر، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے ان سے ان کے صاحبزادے ابراہیم، جواب تیمی، ابراہیم نخعی، ہمام بن عبداللہ تیمی اور دیگر علمائے کوفہ نے روایت کی ہے[1]۔ اس زمانہ کے علمی اور دینی مزاج و رواج کے مطابق ان سب حضرات نے صحیفہ علی کی روایت یزید تیمی سے کی ہوگی، خاص طور سے ان کے صاحبزادے ابراہیم کے بارے میں یہ گمان غالب ہے، جن کا شمار کوفہ کے عبّاد و زہّاد میں تھا وہ سجدہ میں جاتے تو ان کی پشت پر گویا بیٹھا کرتی تھیں، چالیس سال سے کم عمر میں سنہ ۹۲ھ یا ۹۴ھ میں انتقال کیا، ایک قول کے مطابق حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کیا تھا[2]۔

اس کے دوسرے راوی خلاس بن عمرو ہجری بصری متوفی قبیل سنہ ۱۰۰ھ ہیں انھوں نے حضرت علی رض سے ان کے صحیفہ کے علاوہ ابوہریرہؓ، عمارؓ اور عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے، امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے۔

روی عن ابی هريرة و عن علی صحیفة — انھوں نے ابوہریرہؓ سے، اور علیؓ سے صحیفہ کی روایت کی ہے۔

(تاریخ کبیر ج ۲ قسم ۱ ص ۲۰۸)

ابن سعد نے کہا کہ :-

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۰۴ [2] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۶

کان قدیما کثیر الحدیث له صحیفة یحدث عنها۔ — وہ قدیم علماء میں کثیر الحدیث تھے ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس سے حدیث بیان کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے :-

روایته عن علی من کتاب — حضرت علی سے ان کی روایت کتاب سے ہے

ابوزرعہ سے سوال کیا گیا کہ کیا خلاس نے حضرت علی سے سماع کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یحییٰ بن سعید کہتے تھے کہ یہ سماع کتاب کا ہے۔

خلاس بن عمرو ہجری بھی حضرت علی کے محافظ دستہ میں تھے۔ جلاس بن عمرو کندی صحابی ہیں، اور خلاس بن عمرو ہجری تابعی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۷۷ والاکمال، ابن ماکولا ج ۲ ص ۱۶۹ و ص ۱۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ کی احادیث کے صحیفے اور نسخے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی اجازت و مرضی سے احادیث کا ایک مجموعہ "الصادقة" کے نام سے مرتب کیا تھا جس کی روایت بعد میں متعدد علمائے تابعین نے کی جن میں ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمروؓ زیادہ مشہور ہیں اور عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّه کی سند سے جو احادیث کتابوں میں پائی جاتی ہیں، اسی صحیفہ الصادقہ کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اس کو یاد کرلوں، مگر اہل قریش نے مجھ کو اس سے منع کیا اور کہا کہ تم جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالاں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضا اور غضب دونوں حال میں باتیں کرتے ہیں، ان کے کہنے پر رک گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ لکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی ہے[1]۔ رامہرمزی نے اس واقعہ کو عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے کئی طرق سے بیان کیا ہے۔

(المحدث الفاصل ص ۳۶۵) اسی لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی ہونے کے باوجود اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو کو اپنے اوپر فوقیت دیتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے:-

عن ابی ہریرۃ ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثا عنہ منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب وانا لا اکتب[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی بھی آپ کی حدیث کا مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے، سوائے عبداللہ بن عمرو کے کیوں کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رض زندگی بھر صحیفہ الصادقہ کو دل وجان سے عزیز رکھتے تھے اور کسی کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے تھے، مشہور تابعی مجاہد کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کے پاس ایک صحیفہ دیکھا اور اس کو چھونے لگا تو انہوں نے کہا کہ خبردار اے بنی مخزوم کے غلام! میں نے کہا کہ آپ تو مجھے کسی چیز سے نہیں روکتے ہیں، اس سے کیوں روک رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ:-

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۱ [2] بخاری، کتاب العلم وجامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۰

ہذہ الصادقۃ، فیہا ما سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لیس بینی وبینہ فیہا احد[1]

یہ صادقہ ہے، اس میں وہ حدیثیں ہیں جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ان میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

مجاہد نے حضرت عبداللہ بن عمرو کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:-

ما اسی علی شیئ الا علی الصادقۃ والصادقۃ صحیفۃ استاذنت فیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اکتب فیہا ما اسمع منہ فاذن لی۔

الصادقہ کے علاوہ مجھے کسی اور چیز کی پروا نہیں ہے، الصادقہ ایسا صحیفہ ہے جس کے بارے میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تھی کہ جو کچھ آپ سے سنوں اس میں لکھ لوں اور آپ نے مجھے اس کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

ان ہی مجاہد سے دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو کا یہ قول ہے کہ صرف دو چیزیں مجھے زندگی کی ترغیب دے رہی ہیں، ایک وہط اور دوسری الصادقہ، اس صحیفہ کے لکھنے کے متعلق میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تھی اور آپ کی اجازت کے بعد میں نے اس کو لکھا ہے[2]۔

ابن عبد البر نے بھی مجاہد کی روایت سے یہ قول یوں نقل کیا ہے کہ صرف دو چیزیں مجھے زندگی کی ترغیب دے رہی ہیں، ایک الصادقہ اور دوسری وہط،

[1] المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لرامہرمزی ص ۳۶۷ [2] المحدث الفاصل ص ۳۶۶

الصادقہ وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے، اور وہط (طائف میں) ایک زمین اور باغ ہے جس کو میرے والد عمرو بن عاص رضؓ صدقہ کر کے اس کی حفاظت کیا کرتے تھے۔[۱]

یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے خاندان میں موجود تھا اور جب احادیث کی روایت میں اخبرنا وحدثنا کی باری آئی تو ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب نے اس کی روایت کی، وہ تابعی عالم ہیں، مستقل سکونت مکہ مکرمہ میں تھی، طائف بھی جایا کرتے تھے، ان کی روایات زیادہ تر اپنے والد سے ہیں، ان کے علاوہ علمائے تابعین کی ایک بڑی جماعت سے روایت کی ہے، اور ان سے بیس۲۰ سے زائد تابعین نے روایت کی ہے، جن میں ابن شہاب زہری، عطا بن ابی رباح، عمرو بن دینار، ایوب سختیانی وغیرہ شامل ہیں، ۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔

یحییٰ بن معین عمرو بن شعیب کے الصادقہ کی روایت کے متعلق کہتے ہیں۔

هو ثقة فی نفسه وما روی عن ابیه عن جده لا حجة فیه، ولیس بمتصل، وهو ضعیف، من قِبَلِ انه مرسل، وجد شعیب کتب عبد الله بن عمرو فکان یرویها عن جده ارسالاً

عمرو بن شعیب خود ثقہ ہیں اور جو حدیث عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کی ہے قابل حجت نہیں ہے اور نہ اس کی سند متصل ہے بلکہ مرسل کے قبیل کے ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، عمرو کے والد شعیب نے عبداللہ بن عمرو کی کتابیں پائیں اور

[۱] جامع بیان العلم ج ۱ ص۲

وهی صحاح عن عبد الله بن عمرو غیر انه لم یسمعها

وہ ان کی روایت اپنے دادا سے ارسال کے طریقہ پر کرتے تھے، یہ حدیثیں عبداللہ بن عمرو سے صحیح ہیں، البتہ شعیب نے ان سے ان حدیثوں کا سماع نہیں کیا ہے۔

حافظ ابن حجر یحییٰ بن معین کی یہ رائے نقل کر کے اس پر اپنی یہ رائے ظاہر کرتے ہیں:

قلت: فاذا شهد له ابن معین ان احادیثه صحاح غیر انه لم یسمعها وصحّ سماعه لبعضها، فغایة الباقی ان یکون وجادة صحیحة، وهو احد وجوه التحمل، والله اعلم[۱]

جب ابن معین نے شعیب کے بارے میں شہادت دے دی کہ ان کی احادیث صحیح ہیں البتہ انہوں نے ان کا سماع نہیں کیا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض احادیث کا سماع صحیح و ثابت ہے تو باقی احادیث کے بارے میں زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی روایت وجادہ صحیحہ کے طور پر ہے اور وجادہ بھی حدیث کی روایت کی ایک صورت ہے۔

ارسال کی صورت یہ ہے کہ کوئی تابعی صحابی کا نام لئے بغیر براہ راست قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے ایسی حدیث کو مرسل کہتے ہیں، اور وجادہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی عالم کسی راوی سے سماع و اجازت کے بغیر اس کی احادیث یا اس کی کتابیں پا کر بیان کرے، اور کہے کہ یہ حدیث میں نے فلاں کی کتاب میں پائی یا پڑھی ہے،

[۱] تہذیب التہذیب ج ۸ ص۵۴

ابن صلاح نے باب روایۃ الابن عن الاب، عن الجد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی مثال بیان کر کے لکھا ہے :۔

وله بهذا السند نسخة كبيرة، اكثرها فقهيات جياد، وشعيب هو ابن محمد ابن عبد الله بن عمرو، وقد احتج اكثر اهل الحديث بحديثه حملاً لمطلق الجد فيه على الصحابي عبد الله بن عمرو بن العاص، دون ابنه محمد والد شعيب لما ظهر لهم من اطلاقه ذلك۔[1]	عمرو بن شعیب کے پاس اس سند سے ایک بڑا نسخہ ہے جس میں اکثر فقہی مسائل سے متعلق جید احادیث ہیں اور عمرو کے والد شعیب، محمد بن عبداللہ بن عمرو کے لڑکے ہیں اور صرف دادا عبداللہ بن عمرو کے صحابی ہونے کی وجہ سے اکثر محدثین نے ان کی حدیث کو حجت قرار دیا ہے، نہ کہ شعیب کے والد محمد کی وجہ سے، کیونکہ محدثین کے نزدیک واضح ہو گیا کہ محمد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

عمرو نے اپنے والد شعیب سے روایت کی ہے اور ان کی روایات کا بڑا حصہ شعیب ہی سے ہے اور شعیب کی اپنے والد محمد سے روایت میں اختلاف ہے، البتہ دادا عبداللہ بن عمرو سے روایت محدثین کے نزدیک ثابت ہے، تفصیل کے لئے تہذیب التہذیب وغیرہ کی طرف مراجعت کرنی چاہئے۔ صحیفۃ الصادقہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس احادیث کا تحریری سرمایہ بہت زیادہ تھا جس کو ایک بڑے صندوق میں بحفاظت رکھتے تھے اور بوقت ضرورت اس سے کام لیتے تھے، ابو قبیل

[1] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۵۷ و ص ۱۵۸

راوی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو سے پوچھا گیا کہ قسطنطنیہ اور رومیہ شہروں میں کون شہر پہلے فتح ہوگا تو انہوں نے اسی صندوق سے ایک کتاب نکال کر بتایا کہ پہلے مدینہ ہرقل فتح ہوگا۔

فدعا عبد الله بن عمرو بصندوق له حلق فاخرج كتابا فجعل يقرأ[1]	عبداللہ بن عمرو نے ایک صندوق منگائی جس میں کڑے لگے ہوئے تھے اور اس میں سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو الصادقہ کے علاوہ اس صندوق کی کتابوں سے بھی حدیث کی روایت کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث کے نسخے اور صحیفے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں نجران کے قبیلہ دوس سے آکر اسلام لائے اور خدمت نبوی میں یوں رہ گئے کہ سفر و حضر میں رات دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے، طبقہ صحابہ میں سب سے زیادہ احادیث ان ہی سے مروی ہیں، علماء نے ان کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) بتائی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کے زمانہ میں جس قدر لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے، ان میں وہ سب سے زیادہ احادیث کے حافظ تھے، جتنی احادیث ان سے مروی ہیں کسی اور صحابی سے مروی نہیں ہیں۔[2]

ابتدا میں حضرت ابوہریرہؓ دیگر کئی صحابہ کی طرح حفظ حدیث کے مقابلہ میں کتابت حدیث کو پسند نہیں کرتے تھے مگر بعد میں خود ان کے پاس ان کی احادیث کا

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۲۹ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۶۶

تحریری ذخیرہ جمع ہو گیا تھا اور ان کے اصحاب و تلامیذ نے ان کی احادیث کے نسخے اور مجموعے تیار کیے، ان کے تلامذہ کی تعداد آٹھ سو سے زائد ہے، جس میں صحابہ و تابعین سب شامل ہیں۔ تقریباً بیس[۲] شاگردوں کی کنیت ابوصالح ہے۔[۱] ان میں سے اکثر راویوں نے حضرت ابوہریرہ کی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا۔ عمر بن عبداللہ بصری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ تھیلے (خمس جرب) احادیث زبانی یاد کی تھیں، انہوں نے کہا ہے کہ میں نے ان میں سے دو تھیلے کی احادیث بیان کی ہیں، اگر میں تیسرے کی احادیث ظاہر کردوں تو تم لوگ مجھے پتھر مارو گے۔[۲] حضرت ابوہریرہ کے پاس ان کی احادیث کتابوں میں لکھی ہوئی موجود تھیں جن کو وہ بحفاظت گھر کے اندر رکھتے تھے اور بوقت ضرورت ان کی طرف مراجعت کرتے تھے۔

ان کے ایک شاگرد حسن بن عمرو بن امیہ ضمری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، جس سے انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، میں نے کہا یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے، اس پر کہنے لگے کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور ہو گی، اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے۔

فارانا کتبا کثیرۃ من حدیث	اور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حدیث کی بہت سی کتابیں دکھائیں اور
فوجد ذلک الحدیث، فقال	اس حدیث کو پا گئے تو کہا کہ میں نے تم سے
قد اخبرتک انی ان کنت حدثتک	کہا تھا کہ اگر میں نے تم سے یہ حدیث بیان
بہ فھو مکتوب عندی۔[۳]	کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔

۱؎ المحدث الفاصل ص۲۵۸　۲؎ المحدث الفاصل ص۵۵۶　۳؎ فتح الباری ج ۱ ص۲۰۸

ابن حجر نے مختصر طور سے اس کو حسن بن عمرو بن امیہ سے یوں بیان کیا ہے کہ میں نے ابوہریرہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اور اپنے کمرہ میں لے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی کتابیں دکھائیں اور کہا کہ یہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔[۱]

حضرت ابوہریرہ کے جن اصحاب و تلامیذ نے ان کی احادیث کے نسخے اور صحیفے کتابی شکل میں مرتب کیے اور ان کی روایت بعد میں ہوتی رہی، ان میں (۱) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (۲) عبدالرحمٰن بن یعقوب جہنی (۳) اور ہمام بن منبہ صنعانی کے نسخے شہرت و روایت میں سب پر سبقت لے گئے ہیں، خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ محدثین کے کچھ مشہور نسخے ہوتے ہیں جن میں بہت سی حدیثیں ہوتی ہیں، نسخہ کا راوی پہلے متن کی سند بیان کرتا ہے، اس کے بعد اسی سند سے پورے نسخہ کی احادیث بیان کرتا ہے،[۲] اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث کے کئی نسخے ان کے تلامذہ کے پاس تھے، اور وہ اس طرح ان کو بیان کرتے تھے کہ پہلی حدیث میں سند بیان کر کے دیگر احادیث کو بلا سند کے بیان کرتے تھے۔[۳]

پھر خطیب نے ان نسخوں کی تفصیل یوں بیان کی ہے:-

فمنھا نسخۃ یرویھا ابو الیمان	ان میں سے ایک نسخہ کی روایت ابوالیمان
الحکم بن نافع عن شعیب بن ابی	حکم بن نافع نے شعیب سے کی، انہوں نے
حمزۃ عن ابی الزناد، عن الاعرج،	ابوالزناد سے، انہوں نے اعرج سے،
عن ابی ھریرۃ۔[۳]	انہوں نے ابوہریرہ سے۔

۱؎ تہذیب التہذیب ج ص　۲؎ الکفایہ فی علم الروایہ ص۲۱۴　۳؎ الکفایہ ص۲۱۴

عبدالرحمٰن ہرمز الاعرج مدنی متوفی ۱۱۷ھ حضرت ابوہریرہ کے ان تلامذہ میں ہیں جنہوں نے ان کی احادیث کو نسخہ اور کتاب کی شکل میں مرتب کیا ہے، وہ اس نسخہ کی روایت کے وقت ہر حدیث میں اخبرنا اور حدثنا نہیں کہتے تھے، یزید بن ابو حبیب کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے یہاں ایک کتاب ودیعت رکھی، میں نے اس میں اعرج کی مرویات دیکھیں، یزید بن ابو حبیب نے بتایا کہ:۔

کان یحدثنا باشیاء مما فی الکتاب ولا یقول اخبرنا وحدثنا[1]	اعرج ہم سے اپنی کتاب سے کچھ احادیث بیان کرتے تھے اور اخبرنا وحدثنا نہیں کہتے تھے۔

ان کے ایک شاگرد عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ اعرج سے ان کی احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور ابن شہاب نہیں لکھتے تھے، بسا اوقات اعرج طویل حدیث بیان کرتے تو ابن شہاب ان سے کاغذ لے کر لکھ لیتے تھے، اور یاد کر کے مٹا دیتے تھے، اور بعض اوقات وہ لکھی ہوئی طویل حدیث لے کر مجلس درس سے اٹھ جاتے اور بعد میں یاد کر کے مٹا دیتے تھے۔[2]

اعرج کے شاگرد ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان متوفی ۱۳۱ھ ان کی احادیث کے راویہ یعنی خصوصی راوی ہیں، ابن حبان نے ابوالزناد کو فقیہ صاحب کتاب بتایا ہے[3]، غالباً کتاب سے مراد یہی نسخہ ہے، اور ابوالزناد کے شاگرد شعیب بن ابو حمزہ دینار حمصی متوفی ۱۶۲ھ کے بارے میں امام احمد نے کہا ہے کہ میں نے شعیب کی کتابیں دیکھی ہیں، مضبوط و مقید تھیں[4] خلیلی کا قول ہے۔

---

[1] الکفایہ ص ۳۵۵ [2] تاریخ کبیر، بخاری جلد ۴ قسم ا ص ۵۰، [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۰۵
[4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۵۱۔

نسخۃ شعیب رواھا الائمۃ عن الحکم[1]۔	شعیب کے نسخہ کو ائمہ حدیث نے حکم بن نافع سے روایت کیا ہے۔

ابوالیمان حکم بن نافع حمصی متوفی ۲۲۱ھ نے شعیب بن ابو حمزہ سے اس کی روایت کی اور ان سے محدثین نے روایت کی ہے، جیسا کہ معلوم ہوا۔

اس کے بعد خطیب نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی کی مرویات کا ایک نسخہ عبدالرحمٰن یعقوب جہنی کا روایت کردہ تھا جس کی روایت ان کے صاحبزادے علاء نے کی تھی۔

ونسخۃ عند یزید بن زریع، عن روح بن القاسم عن العلاء بن عبدالرحمٰن، عن ابیہ، عن ابی ھریرۃ[2]۔	اور ایک نسخہ یزید بن زریع کے پاس تھا جس کو حضرت ابو ہریرہ سے عبدالرحمٰن نے، ان سے ان کے لڑکے علاء نے، ان سے روح بن قاسم نے روایت کیا تھا۔

عبدالرحمٰن بن یعقوب جہنی مدنی کو ابن مدینی نے حضرت ابوہریرہ کے تلامذہ میں عبدالرحمٰن الاعرج کا ہم پلہ بتایا ہے۔ ثقہ تابعی عالم تھے۔

ان کے لڑکے علاء بن عبدالرحمٰن مدنی متوفی ۱۳۲ھ نے اپنے والد اور دوسرے صحابہ و تابعین سے روایت کی ہے، ان کے پاس احادیث کے صحیفے اور نسخے تھے جن کی روایت کرتے تھے، ابن عدی نے کہا ہے۔

وللعلاء نسخ یرویھا عنہ الثقات۔	علاء کے پاس چند نسخے تھے جن کی روایت ان سے ثقہ محدثین کرتے تھے۔

ابن سعد نے لکھا ہے:۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۴۳، [2] الکفایہ ص ۲۱۴

صحیفة العلاء بالمدینة مشهورة، وکان ثقـة کثیر الحدیث۔[1]	علاء کا صحیفہ مدینہ شہر میں مشہور ہے وہ کثیر الحدیث ثقہ محدث تھے۔

غالباً اس صحیفہ سے مراد حضرت ابوہریرہ کی مرویات کا نسخہ ہے، جو دوسرے نسخوں اور کتابوں کے ساتھ ان کے پاس تھا اور محدثین کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت و شہرت تھی۔

روح بن قاسم تمیمی بصری متوفی ۱۴۱ھ نے علاء بن عبدالرحمٰن کے علاوہ بہت سے اہل علم سے روایت کی ہے وہ اور ان کے بھائی ہشام بن قاسم بصرہ کے ثقہ محدثین میں تھے۔

حضرت ابوہریرہ کی احادیث کا ایک نسخہ عبدالرزاق صنعانی کے پاس تھا جس کو ہمام بن منبہ صنعانی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا تھا خطیب نے بیان کیا ہے :۔

ونسخة عند عبدالرزاق بن همام عن معمر بن راشد عن همام بن منبة عن ابی هریرة۔[2]	ایک نسخہ عبدالرزاق بن ہمام کے پاس تھا جس کو حضرت ابوہریرہ سے ہمام بن منبہ، ان سے معمر بن راشد، ان سے عبدالرزاق نے روایت کیا تھا۔

ذہبی نے اس کے بارے میں لکھا ہے :۔

ولهمام عن ابی هریرة نسخة مشهورة اکثرها فی الصحاح رواها عنه معمر۔[3]	ہمام کا ابوہریرہ کی روایت سے ایک مشہور نسخہ ہے، جس کی اکثر احادیث صحاح ستہ میں ہیں، ان کو ہمام سے معمر نے

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۸۶، [2] الکفایہ ص ۲۱۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۵

ابن حجر لکھتے ہیں۔

فجالس ابا هریرة، فسمع منه احادیث (وهی نحو من اربعین ومائة حدیث باسناد واحد) وادرکه معمر وقد کبر وسقط حاجباه علی عینیه، فقرء علیه همام حتی اذا مل اخذ معمر، فقرء الباقی، وکان عبدالرزاق لا یعرف ما قرء علیه مما قرء هو۔[1]	ہمام نے حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بیٹھ کر ان سے احادیث کا سماع کیا جو تقریباً ایک سند سے ایک سو چالیس[140] حدیثیں تھیں۔ معمر ہمام سے اس وقت ملے جب وہ اس قدر بوڑھے ہو چکے تھے کہ ان کی بھویں آنکھوں پر آگئی تھیں، ہمام نے معمر کو پڑھ کر سنانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ گھبرا گئے اور معمر نے وہ نسخہ لے کر باقی خود پڑھا، اور عبدالرزاق یہ نہیں جانتے تھے کہ معمر نے کتنا حصہ پڑھا اور کتنا نہیں پڑھا۔

اس نسخہ کے تمام رواۃ اپنے اپنے زمانہ کے مشہور ائمہ حدیث ہیں، اور یہ نسخہ سب سے زیادہ مشہور اور محدثین کے یہاں متداول رہا ہے، اور آج ہمارے سامنے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کو ۱۳۷۲ھ میں دمشق سے شائع کیا ہے اور اس صحیفہ ہمام بن منبہ کو صحیفہ صحیحہ بتایا ہے، اس میں ایک سو اڑتیس[138] حدیثیں ہیں، اس کی ابتداء سند کے ساتھ یوں ہے :۔ حدثنا عبدالرزاق بن همام بن نافع الحمیری، عن معمر، عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا ابو هریرة، عن محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : نحن الآخرون السابقون

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۶۷

یوم القیامۃ، بید انھم اوتوا الکتاب من قبلنا الخ اس کے بعد تمام حدیثیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر بیان کی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ کی احادیث کا ایک نسخہ سہیل بن ابی صالح، عن ابیہ، عن ابی ھریرۃ کی سند سے تھا جس کی روایت سہیل بن ابوصالح کیا کرتے تھے، بعض محققین کا خیال ہے کہ اس میں کل اڑتالیس ۴۸ حدیثیں تھیں۔

ابوصالح ذکوان سمان زیات مدنی متوفی ۱۰۱ھ حضرت ابوہریرہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، ایک مرتبہ ابن معین سے سوال کیا گیا کہ حضرت ابوہریرہ کی احادیث میں کون ثقہ و ثبت ہے؟ تو بتایا کہ سعید بن مسیب، ابوصالح، ابن سیرین، مقبری، اعرج اور ابورافع، کثیر الحدیث ثقہ عالم تھے۔[1]

ان کے صاحبزادے سہیل بن ابوصالح مدنی متوفی ۱۳۸ھ نے اپنے والد کے علاوہ اور بہت سے علماء سے روایت کی ہے، سہیل اور علاء بن عبد الرحمٰن جہنی دونوں کے پاس حضرت ابوہریرہ کی روایات کا نسخہ تھا اور دونوں اس کی روایت کرتے تھے کئی علماء نے علاء کے مقابلہ میں سہیل کو ثقہ مانا ہے۔

ابوزرعہ کا قول ہے:۔

سہیل اشبہ واشہر یعنی من العلاء

سہیل علاء سے زیادہ قریب الصحت اور مشہور ہیں۔

اور ابوحاتم نے کہا ہے:۔

یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ

سہیل کی حدیث لکھی جائے گی، مگر اس سے

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۱۹

وھو احب الی من العلاء

استدلال نہیں کیا جائے گا، وہ میرے نزدیک علاء سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔

اور ابن معین نے کہا ہے:۔

سہیل بن ابی صالح والعلاء بن عبد الرحمٰن حدیثھما قریب من السواء ولیس حدیثھما بحجۃ[1]

سہیل بن ابوصالح اور علاء بن عبد الرحمٰن دونوں کی حدیثیں تقریباً برابر برابر ہیں اور حجت نہیں ہیں۔

حجت نہ ہونے کے باوجود یہ نسخہ سب سے زیادہ اعلیٰ ہے، اور سند عالی رکھتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد بشیر بن نہیک سدوسی بصری نے بھی ان کی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا تھا جس کی حضرت ابوہریرہ نے تصدیق کی تھی۔ رامہرمزی نے لکھا ہے:۔

عن بشیر بن نھیک قال: کنت اکتب عند ابی ھریرۃ ماسمعت منہ، فاذا اردت ان افارقہ جئت بالکتاب فقرأتہ علیہ فقلت: الیس ھٰذا ما سمعتہ منک؟ قال: نعم[2]

بشیر بن نہیک نے بیان کیا ہے کہ میں ابوہریرہ کے پاس ان سے جو حدیث سنتا تھا لکھ لیتا تھا، جب میں نے جانے کا ارادہ کیا تو وہ کتاب لاکر ان کے سامنے پڑھی اور کہا کہ کیا میں نے ان احادیث کو آپ سے نہیں سنا ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ ہاں تم نے سنا ہے۔

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۶۳ ۲؎ المحدث الفاصل ص ۵۳۸

یہ واقعہ ابن عبدالبر اور ابن حجر نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں معمولی فرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔[۱]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والوں میں ایک راوی عبداللہ بن فیروز باہلی بصری عبداللہ بن الرومی کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کا نسخہ تیار کیا تھا جو محمد بن اسحاق بن ابراہیم کے پاس تھا وہ اپنے اوپر کے ایک دادا محصن کی نسبت سے محمد بن محصن کے نام سے مشہور ہیں اور محدثین کے نزدیک غیر معتبر و متروک ہیں، ان ہی کے نسخہ سے عبداللہ بن الرومی کے لڑکے عمر بن عبداللہ بن الرومی اس کی روایت کرتے تھے، ابن حبان نے لکھا ہے :-

"عبداللہ بن رومی ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، ان سے ان کے لڑکے عمر نے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، عمر بن عبداللہ رومی نے محمد بن اسحٰق بن ابراہیم کے نسخہ سے روایت کی ہے۔"

عمر بن عبداللہ رومی بصری نے اپنے والد وغیرہ سے روایت کی، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔[۲]

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا ایک نسخہ مروان بن حکم نے امارت مدینہ کے زمانہ میں تیار کرایا تھا، اس کے کاتب ابوالزعزعہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو مجھے پس پردہ بٹھا کر ان سے احادیث کے بارے میں سوال کرتا رہا اور میں ان کے جوابات لکھتا رہا، اس طرح میں نے بہت سی حدیثیں لکھیں، ایک سال کے بعد مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کو پھر بلایا اور پھر مجھے پس پردہ بٹھا کر ان حدیثوں کے بارے میں ان سے سوال کرتا رہا وہ جواب دیتے رہے۔ اور میں اپنی کتاب میں دیکھتا رہا تو دونوں مرتبہ بیان کی ہوئی حدیثوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔[۳] (باقی)

---

[۱] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۰ ، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۶۔ [۲] الثقات ابن حبان ج ۵ ص ۵۲۔ [۳] کتاب الکنی بخاری ص ۳۱

موجودہ عہد کا ایرانی ادب

تحریر : ڈاکٹر محمد استعلامی (کناڈا)

مترجمہ : جناب رئیس احمد نعمانی (علی گڑھ)

جن نگارشات کو ہم "آج کی ایرانی ادبیات" کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ مختلف قسم کی ہیں جو ایران کے اندر گزشتہ اسی، نوے سال میں ہونے والی فکری، تہذیبی اور سیاسی تبدیلیوں کے زیر اثر وجود میں آئی ہیں، اور ان کے وجود میں آنے کے مواقع وہی فکری اور تہذیبی انقلابات، ڈیڑھ پونے دو سو سال پہلے سے آہستہ آہستہ فراہم ہوئے ہیں۔

ایران پر عہد جدید اور یورپ کی ترقی کا اثر

تیرہویں صدی ہجری کے شروع میں یورپ حیرت انگیز طور پر فکری اور صنعتی ترقی کر رہا تھا اور معاشرتی انقلاب کا غلغلہ اس کے ہر گوشے سے بلند ہو رہا تھا۔

فرانس میں ۱۷۸۹ء تا ۱۷۹۲ء کا عظیم انقلاب رونما ہو رہا تھا، اور دوسرے بڑے ملکوں میں استبداد کے محلوں کی عمارت کے نیچے باسٹیلوں[۱] کی دیواریں لرز رہی تھیں۔ اس ترقی کے زمانے میں ہی دوسرے ملکوں کے لوگ بھی جو کچھ یورپ میں ہو رہا تھا کم و بیش اس سے باخبر ہو رہے تھے۔

ایران بھی اس سے بے خبر نہ تھا۔ تیرہویں صدی ہجری کے آخر (۱۲۹۰ھ) میں ناصر الدین شاہ قاچار سیر فرہنگ کی آرزو میں روس کے راستے سے ایک طویل سفر پر روانہ ہوا، ۱۲۹۵ھ اور پھر ۱۳۰۶ھ میں وہ دوسری اور تیسری مرتبہ یورپ گیا۔ اس کے سفر کا اگرچہ کوئی واضح مقصد نہ تھا لیکن بادشاہ اور ایران کے دوسرے ذمہ داروں کو یہ

سمجھا سکتا تھے کہ "تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا"۔

ناصر الدین شاہ سے پہلے اس کے دادا شاہزادہ عباس مرزا نے محسوس کر لیا تھا کہ مغرب میں کچھ بیداری ہے اور اس کا پیشکار عیسیٰ قائم مقام اور اس کا بیٹا ابوالقاسم قائم مقام سمجھتے تھے کہ ایران کو ایک تہذیبی، سماجی اور فوجی انقلاب کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے۔ عباس میرزا نے جو ۱۲۱۴ھ سے ایران کا ولی عہد اور آذربائیجان کا حاکم تھا، ایسے انقلاب کی راہ میں ہوشیاری سے قدم اٹھایا اور باغیوں کی سرکوبی، ایک منظم فوج تیار کرنے، چھپائی کے کام کو رواج دینے، ہتھیار بنانے اور کپڑا بننے کے کارخانے قائم کرنے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایرانی طلبہ کو یورپ بھیجنے کے اہتمام میں کوئی کمی نہیں کی۔ اور اس کے باوجود کہ ۱۲۴۹ھ میں وہ خراسان کے اندر اپنے باپ فتح علی شاہ کی بے پروائیوں کے نتیجے میں، ناامیدی کی حالت میں مر گیا، اس کی کوششیں کم و بیش نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔ اس زمانے میں یورپ میں ہونے والے واقعات سے یورپی ملکوں کے فوجی اور سیاسی نمائندوں کی آمد و رفت بھی ایران کے لوگوں کی واقفیت کو بڑھا رہی تھی اور قاچاری شاہزادوں اور وزیروں میں سے چند لوگ ایمانداری کے ساتھ ایرانی قوم کی تقدیر پر غور کر رہے تھے اور حالات کی اصلاح کے لئے نئے طریقے کی تلاش میں تھے۔ محمد شاہ کے ذی علم اور صاحب فہم وزیر ابوالقاسم قائم مقام نے اپنی وزارت کے مختصر دور میں اپنے بادشاہ کے احسان فراموش ہونے کے باوجود یہ کوشش کی کہ بادشاہ کے دربار میں خوشامد کے بجائے صحیح اور سنجیدہ کام انجام دے اور مکار اور جعل ساز لوگوں کو بادشاہ کے قریب نہ آنے دے خواہ اس کام میں اس کو اپنی جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانی

پڑے۔ اس کی یہ کوشش بے نتیجہ نہیں رہی۔

امیر کبیر جو آذربائیجان میں اپنے تقرر کے دوران دو بار روس گیا تھا اس نے بھی اپنی صدارت کے برسوں میں ناصر الدین شاہ کو کچھ اصلاحات کے لئے آمادہ کیا اور خود اس نے ملک کے مالی، فوجی اور دفتری نظام میں بہت تبدیلی پیدا کی اور ایران کی معاشرتی بیداری کے لئے سب سے مضبوط بنیاد فراہم کی یعنی "دارالفنون" قائم کیا اور ایسے ایسے کام کئے جو عوام کو دھوکا دینے والے علماء، ظالم حاکموں اور محاسبوں کو بہت ناگوار تھے اس لئے یہ تعجب کی بات نہیں کہ اس برہم اکثریت نے ناصر الدین شاہ کی ماں کی سفارش سے اس کی معزولی اور قتل کے اسباب پیدا کر دیئے اور کسی نے جوان اور مغرور بادشاہ کے حکم کی مخالفت نہیں کی کیوں کہ اس جماعت میں سے کوئی امیر کبیر سے ٹیکس اور کمیشن نہیں لے سکا تھا اور وہ لوگ جو ٹیکس اور کمیشن نہیں چاہتے تھے وہ بھی امیر کبیر سے خوش نہیں تھے، اس لئے کہ وہ ان سے ٹیکس لیتا تھا اور ان سے کام چاہتا تھا اور وہ اس کی مرضی کے خلاف چلنے سے مجبور تھے۔

امیر کبیر کے مکتب فکر میں جن لوگوں نے تربیت پائی ان میں حسین سپہ سالار ممتاز تھا۔ یہ قانون کی بات اور مغرب کی تعلیمی اور سماجی ترقی کا ذکر کرتا تھا۔ اور فرانسیسی زبان میں اخبار نویسی بھی کرتا تھا، ۱۲۹۰ھ میں ناصر الدین شاہ کو پہلی بار یورپ لے جانے والا بھی یہی تھا۔ اور جب اس کی واپسی پر بے غیرت اہل سیاست نے ناصر الدین شاہ کو بدلا ہوا پایا تو اس کو سپہ سالار کی معزولی پر آمادہ کر دیا۔

مشیر الدولہ محسن خان بھی قاچاریوں کے معاملہ فہم وزیروں میں سے تھا جس نے

دارالفنون میں تعلیم حاصل کی تھی اور استانبول، لندن اور پیٹرز برگ کا سفر کیا تھا۔ ۱۳۰۹ھ میں محکمۂ انصاف کا وزیر بنا اور اس نے عدلیہ کی بنیادوں کو اپنے مقدور کی حد تک قاعدہ اور قانون پر قائم رکھا۔

میرزا علی سینکی (امین الدولہ بزرگ) بھی، جب وہ مظفر الدین شاہ کے دربار کا صدر اعظم تھا، امیر کبیر اور سپہ سالار کی روش پر گامزن تھا۔ اس نے اخباروں کو آزادی دی، اسکول کھولے، توجہ اور محنت سے ملک کے محکمۂ مال کی اصلاح کی، اور جن کاموں میں یورپ کی ترقیوں سے واقفیت ضروری تھی ان کے لئے چند یورپی مشیر ایران بلائے مجموعی طور پر وہ ایک کامیاب اور ملک کے لئے مفید رہنما تھا۔

ان وزیروں اور کچھ دوسرے لائق وزیروں کے علاوہ، اعتضاد السلطنہ شاہزادہ علی قلی میرزا اور معتمد الدولہ شاہزادہ فرہاد میرزا جیسے لوگوں کو بھی قاچاری دور کے نیک خیال اور اصلاح پسند لوگوں میں شمار کرنا چاہیئے۔ علی قلی میرزا پڑھا لکھا اور صاحب نظر آدمی تھا۔ اس نے دارالفنون کو ترقی دی، ٹیلی گراف کا سب سے پہلا سلسلہ سلطانیہ اور تبریز کے درمیان قائم کیا اور کتابیں بھی لکھیں جن میں سے "فلک السعادہ" اچھی طرح سے اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ عوام کی بیداری کے لئے سوچتا تھا اور اس کی یہ آرزو تھی کہ ایک دن ایران کے لوگ اتنے روشن خیال اور ہوش مند ہو جائیں کہ رمال اور جن اتارنے والے اور نجومی ان کو ان کی تقدیر کا حال نہ بتائیں اور ان کو فریب نہ دے سکیں۔ فرہاد میرزا نے بھی کتابوں کے ترجمے کئے اور ان کی اشاعت کے ذریعے یہ کوشش کی کہ لوگوں کو اپنے دور کی تہذیب اور نئے علوم سے واقفیت بہم پہنچائے۔

ایرانی صحافت دنیا میں ہر جگہ اخبارات سیاسی و سماجی انقلاب، اور نئے خیالات

اور شہری زندگی کے نئے طور طریقوں سے لوگوں کی واقفیت کا ذریعہ رہے ہیں۔ محمد شاہ کے زمانے (۱۲۵۳ھ) میں میرزا صالح شیرازی نے ایران کا سب سے پہلا فارسی اخبار "کاغذِ اخبار"[۴۲] کے نام سے شائع کیا لیکن اس کا کام جاری نہیں رہا اور قریب دس سال گزرنے پر امیر کبیر نے "روزنامچۂ اخبارِ دارالخلافہ تہران" جاری کیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد وہی اخبار "وقائع اتفاقیہ" کے نام سے نکلا۔ امیر کبیر کے بعد "وقائع اتفاقیہ" دوسرے ناموں سے جاری رہا، اور تہران، اصفہان، شیراز، تبریز اور مشہد سے بھی دوسرے اخبارات شائع ہوئے، جن میں سے ہر ایک کم و بیش عوام کو بیدار کرنے کا کام کرتا تھا اس طرح آہستہ آہستہ مشروطہ (آئینی حکومت) کے مطالبے کے لئے زمین ہموار ہوئی اور اس کے بعد مظفر الدین شاہ نے انقلاب کے ساتھ موافقت اور متابعت کی راہ اپنائی۔ اس زمانے میں تہران میں ایک ایسا اخبار وجود میں آیا جو ایران کے اخبارات کی تاریخ کے دورِ اوّل کا تابناک ستارہ ہے۔ یہ روزنامہ میرزا ابو القاسم خاں تبریزی نے جہانگیر نام کے ایک جوشیلے اور آزادی کے متوالے جوان کی شرکت میں جاری کیا تھا۔ چونکہ یہ دونوں ساتھی خواب کے متوالوں کو جگانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے اخبار کا نام "صورِ اسرافیل" رکھا اور اس کی ادارت کے لئے ایک ماہر نقاد اور وسیع النظر صاحبِ قلم کا انتخاب کیا جس کا نام "دہخدا" تھا۔ جو اس دور میں تحقیق و ادب اور ثقافت کی ممتاز شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا۔

یہ اخبارات، اور وہ اخبارات جو ایرانیوں نے دوسرے ملکوں میں جاری کئے، یا جو خفیہ طور پر نکلتے تھے اور "شب نامہ" کہلاتے تھے، سب ایرانی عوام کی بیداری کے زینے ہیں، لیکن یہاں ان سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔

فارسی شعر و ادب پر انقلاب کا اثر اور اس میں سادگی و روانی کا رواج

انقلاب کے برسوں میں فارسی شاعری اور نثر نگاری میں کچھ تبدیلیاں نظر آتی ہیں: شاعری اور نثر کی زبان زیادہ سادہ ہو گئی ہے اس لئے کہ ابوالقاسم قائم مقام، میرزا جعفر حقائق نگار، میرزا حسن فسائی، محمد تقی سپہر (لسان الملک)، رضا قلی خان ہدایت، عبداللطیف طسوجی، شیخ احمد روحی، ملکم خان، میرزا آقا خان جیسے لوگ اور خود ناصر الدین شاہ قاچار اور کچھ شاہزادے مشروطیت سے ستر سال پہلے فارسی نثر کو سادگی اور روانی کی طرف لاتے رہے ہیں اور ان کی تحریریں ہمیشہ گلیوں اور بازاروں کے لوگوں کی زبان سے زیادہ قریب ہوتی تھیں، یہاں تک کہ عبدالرحیم طالبوف کی کتاب "احمد" اور دہخدا کے "چرند و پرند" میں مصنف بہت سادہ انداز میں گفتگو کرتا ہے اور اپنی بات کو اس طرح کہتا ہے گویا پڑھنے والا اس کے سامنے بیٹھا ہوا ہے، عربی کے غیر مانوس الفاظ اور ترکیبوں میں بہت کمی آجاتی ہے، اور خطوط اور دوسری تحریروں میں بھی لمبی مبالغہ آمیز اور مداحانہ باتیں نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ کلام کی ترکیب بھی قواعد اور زبان کے مزاج کے زیادہ مطابق ہونے کی وجہ سے صحیح ہو جاتی ہے۔

اس عہد کے لکھنے والے عوام سے الگ نہیں ہیں اور جب وہ حاکموں کے ساتھ جنگ کی باتیں کرتے ہیں تو خود کو حکومت سے الگ کر لیتے ہیں، سخت آزمائش میں بھی وہ وہی کہتے ہیں جس کی ضرورت عوام کو ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں اس دور کی نگارشات کے معانی و مضامین، دفتری مسائل، بادشاہوں اور امیروں کی مدح گوئی اور فرمائشی تاریخوں تک محدود نہیں رہتے بلکہ نئے مضامین نئی زبان میں اور گلیوں اور بازاروں کی اصطلاحات اور الفاظ کے ساتھ کاغذ پر آتے ہیں اور استبداد کے ستائے ہوئے داغدار دلوں کو

ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

انہیں قیمتی مضامین میں سے جو عہد انقلاب کے ادب میں درخشاں ہیں، سیاسی طنز اور تنقید بھی ہے جس کے نمونے ہم نے عبید زاکانی کی تالیفات میں دیکھے ہیں، اور ہمارے دور میں فتح علی آخوند زادہ، میرزا آقا خاں کرمانی اور ان کے بعد سب سے بہتر طور پر اس طرز کو دہخدا نے دہرایا اور زندہ کیا ہے ان ہی لوگوں نے موجودہ دور کے سیاسی اور ظرافت پر مبنی رسالوں کی بنیاد رکھی ہے اور ان کی رہنمائی سے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جو بہلول، ملا نصر الدین اور کریم شیرہ ای کی کہانیاں دہرانے کے محتاج نہ تھے، بلکہ خود انہوں نے لطیفے ایجاد کئے اور نکتے بیان کئے ہیں جن کے ذریعے وہ سب باتیں کہہ دی ہیں جن کو سنجیدہ شاعری اور نثر میں کہنا ہمیشہ ناممکن رہا ہے۔

داستان گوئی

اس مقالے میں ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ ایران کے ابتدائی مغرب زدہ لوگوں نے چند یورپی ناولوں اور کہانیوں کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا ہے کہ ایرانی ادب میں کہانی لکھنے کا رواج نہیں رہا ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ بہت پہلے سے فارسی نثر کی داستانوں میں ایرانی اپنے ہیروؤں کی تعریف کرتے رہے ہیں گو ان داستانوں کے لکھنے والے اکثر لوگوں کے ناموں کو ہم نہیں جانتے ہیں لیکن ایرانی قوم ہمیشہ ان کہانیوں کو سنتی، پڑھتی اور پسند کرتی رہی ہے۔ ان کہانیوں میں سے "رستم نامہ" "اسکندر نامہ" "داراب نامہ" "سمک عیار" "حسین کرد" وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ اب بھی ایرانی سوسائٹی پر نقالوں کا اثر قائم ہے اور ماہ محرم کی رسمیں اس سے متاثر ہیں۔ یہ کہانیاں قومی حمیت کو ابھار کر جنگ جوئی پر آمادہ کرتی تھیں اس لئے ترک و عرب حکمراں ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔

ایرانیوں کی بہادری کی یہ کہانیاں چاہے یورپی ناولوں جیسی نہ ہوں، لیکن ان کی کچھ خصوصیات ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔

قاچاریوں کے آخری عہد میں ایرانیوں نے مختلف قسم کی یورپی کہانیوں سے واقفیت حاصل کرکے ان کی تقلید اختیار کی۔ اس میں سرفہرست میرزا آقاخاں کرمانی، صنعتی زادہ کرمانی اور شیخ موسیٰ ہمدانی کے نام ہیں۔ میرزا آقاخاں "مزدک" "مانی" "نادرشاہ" اور "سلطان حسین صفوی" کے متعلق ناول لکھنے میں مشغول تھا لیکن معلوم نہیں اس کا کام مکمل ہوا کہ نہیں؟ صنعتی زادہ کا نامکمل تاریخی ناول "دام گستران" یا "انتقام خواہان مزدک" کے نام سے موجود ہے۔ شیخ موسیٰ نے "کوروش" کے متعلق ایک ناول نما تاریخ لکھی ہے جو فنی قدر و قیمت کی حامل نہیں۔ رضا شاہ کبیر کے عہد میں ہر چیز میں جدید رنگ چھایا ہوا ملتا ہے، اس دور میں ایران میں بکثرت اہل قلم نے دلچسپ ناول لکھے جن کا ہیرو کوئی معروف تاریخی شخص ہے اس دور میں جب ایران میں بکثرت اہل قلم نظر آتے ہیں جنہوں نے دلچسپ ناول لکھے۔ اس قسم کا سب سے کامیاب ناول زین العابدین رہنما کا لکھا ہوا "پیامبر" ہے۔ اس کے بعد سعید نفیسی مرحوم کی کتاب "ماہ نخشب" اور ش پرتو کی "پہلوان زند" کا نام لیا جا سکتا ہے۔ سید فخرالدین شادمان، ابراہیم خواجہ نوری اور صادق ہدایت کی کتابوں میں بھی چھوٹی چھوٹی تاریخی کہانیاں موجود ملتی ہیں۔

جدید افسانہ نگاری | محمد علی جمال زادہ، محمد حجازی اور علی دشتی جیسے مصنفوں اور بعض دوسرے لوگوں کے ذریعے فارسی میں جدید افسانہ نگاری کا آغاز ہوتا ہے ان تین شخصوں نے اپنے کام میں قابل قدر کامیابی حاصل کی ہے، لیکن افسانہ نگاری صادق ہدایت کے ہاتھوں ایک نیا جلوہ دکھاتی ہے، اس کا کام "فکر" و "ایجاد" کی ایک پختہ بنیاد رکھتا

ہے اور یورپی ادب کا تاثر لئے ہوئے ہے "زندہ بگور" سے "بوف کور" تک اس کے افسانوں میں "تنوع" بھی نظر آتا ہے۔ اس کے بعد صادق چوبک "خیمۂ شب بازی" اور "انتری کہ لوطیش مردہ بود" نام کے مجموعے لے کر ظاہر ہوتا ہے اور "سنگ صبور" اور "چراغ آخر" تک برابر آگے بڑھتا ہے۔ یہ مصنف ابھی خاموش نہیں ہوا ہے آل احمد اپنے تنقیدی اور تحقیقی رسالوں، مختصر افسانوں کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ابراہیم گلستاں شاپور قریب کہانی لکھتا ہوا ابھرتا ہے۔ محمد علی اسلامی ندوشن اس راہ میں آگے بڑھتا ہے، اور فریدون تنکابنی اور ابراہیم صادقی ایسی کتابیں پیش کرتے ہیں جن میں جدت و تازگی ہوتی ہے۔ جمال میر صادقی کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں، صمد بہرنگی نمودار ہوتا ہے اور نئی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اس سے چند سال پہلے "شوہر آہو خانم" نام کا ناول ایرانی ادب کی اچھی کتابوں میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے جس کی وجہ سے محمد علی افغانی کے نام کا بول بالا ہوتا ہے

ڈرامے | موجودہ ایرانی ادب میں "ڈراما نگاری" کو ابھی زیادہ اہمیت نہیں حاصل ہوئی مگر اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

تماشا بازی کا وجود ایران میں بہت پہلے سے ملتا ہے اور ایرانی ہمیشہ سے تاریخ کے دلولہ انگیز واقعات و روایات کو تماشوں ہی کے ذریعے جانتے رہے ہیں، "گئوماتِ مغ" جو کمبوجیہ بھائی اور اس کا جانشین تھا ایران کی سلطنت پر قابض ہو گیا مگر آخرکار عوام کے ہاتھوں قتل ہو گیا، اس کی یاد میں ایران کے لوگ ہر سال "مغ کشان" کی رسم مناتے تھے اور ایک پتلا بنا کر اس کو آگ لگایا کرتے تھے ___ یا کاووس کے بیٹے سیاوش کے قتل کے دردانگیز واقعات کو شہید کربلا کی شبیہ

خوانی اور تعزیوں کی طرح اسٹیج پر دکھاتے اور رویا کرتے تھے اور اس کو "گریستن مغان" کہتے تھے۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے زرتشتی لوگوں نے چوتھی صدی ہجری تک "گریستن مغان" کی رسم کو فراموش نہیں کیا تھا اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ گو یونان اور روم کی طرح ڈرامے کی تمام شکلیں ایران میں موجود نہیں تھیں، تاہم صنف المیہ (ٹریجڈی) کے ایران میں پہلے سے موجود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ کوئی مخفی بات نہیں ہے کہ ایرانی سوسائٹی اور ایران کے قدیم فرماں روا نہ تماشے کو تمدن کا ایک عنصر سمجھتے تھے اور نہ انسانی روح کی تربیت کے لئے اس کو اہم سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں مذہب بھی اس کو پسند نہیں کرتا۔ دوسری طرف ایران کے دیہاتوں اور شہروں میں لوگ غربت کی زندگی بسر کرتے تھے اس لئے وہ محنت و مشقت کے عادی تھے لطف و تفریح کا موقع انہیں نہیں ملتا تھا ان کا جو وقت بچتا تھا وہ عبادت میں صرف ہوتا تھا تماشا بازی تو بے کاروں اور رندوں کا مشغلہ ہے۔

گذشتہ سو سال میں کچھ لوگوں نے کوشش کی ہے کہ تماشا بازی کو اپنے خیالات کی اشاعت اور لوگوں کی معاشرتی تربیت کا ذریعہ بنائیں۔ فتح علی آخوند زادہ نے سب سے پہلے قفقاز کے اندر گوگول اور مولیر کے ڈراموں سے واقف کیا، اور تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں انہیں نگارشات کو میرزا جعفر قرچہ داغی نے فارسی میں منتقل کیا اور تہران میں چھاپا۔ اس کے بعد میرزا آقا تبریزی نے تین ڈرامے لکھے اور تبریز کے اخبار "اتحاد" میں چھپوائے۔ یہ ڈرامے بہت سادہ اور ابتدائی کوشش ہونے کے باوجود قابل قدر تھے۔

رضا شاہ کبیر کی بادشاہی کے زمانے میں اس فن نے بھی تمدن کے اور دوسرے عناصر کی طرح ترقی پائی اور اس کے لئے ایک ادارہ بھی وجود میں آگیا اور اس کو ہدایت کی گئی کہ تفریحی پروگرام اور اسکولوں کی تقریبات میں بچوں اور نوجوانوں کو کھیل تماشے کی لیاقت کی بھی تربیت دی جائے۔ اور اسی دوران میں یہ نمایاں استعداد رکھنے والے لوگ تماشا دکھانے اور ڈراما لکھنے کی راہ پر لگ گئے۔ جن میں سے رضا کمال (شہرزاد)، حسن مقدم (علی نوروز) مصطفےٰ اسکوبی، سید علی نصر اور ڈاکٹر مہدی نامدار جیسے لوگوں کے نام اب تک زبانوں پر ہیں۔ اس جماعت کے پہلو بہ پہلو ایک اور جماعت بھی تھی جو دوسری راجی خدمات میں لگی ہوئی تھی، ان کے ڈرامے بھی سامنے آئے اور ان کو شہرت حاصل ہوئی۔ صادق ہدایت نے تین ڈراموں کے ساتھ جن میں "افسانہ آفرینش" زیادہ تیز اور زیادہ سنجیدہ ہے، سعید نفیسی نے "آخرین یادگار نادر شاہ" کے نام کے ڈرامے سے، افراشتہ گیلانی نے "اخوی زادہ" نام کے ڈرامے سے اور دوسری نگارشات سے، عماد عصار نے اشتباہات خندہ آور" نام کے ڈرامے سے، میرزادہ عشقی نے "رستاخیز"، "سلاطین ایران در مداین" اور "ایدہ آل یک مرد دہقان" کے نام کے ڈراموں سے، احمد بہارمست نے اپنے "شاہنامۂ فردوسی کے اقتباسات" سے، صادق چوبک نے "توپ لاستیکی" سے، عبدالحسین نوشین نے "خروس سحر" اور "تاثیر زن وظیفہ شناس" سے، ذبیح بہروز نے "جیک جیک علی شاہ" نام کے ڈرامے سے، علی نقی وزیری نے "روز پذیرائی" سے محمد حجازی نے "حافظ"، "عروس فرنگی"، "حاجی آقای متجدد" اور "محمود آقا را وکیل کنید" نام کے ڈراموں سے اور ڈاکٹر ابوالقاسم جنتی عطائی نے "چراغ" اور "موش و گربہ" نام کے ڈراموں اور

دوسرے قابل قدر کاموں سے اور انہیں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عباس حکیم نے "چشمۂ سبز" اور "بہار تاریخ" نام کے ڈراموں کے توسط سے شہرت حاصل کی۔

اب ایران میں ڈراما نویسی میں جو لوگ لگے ہوئے ہیں انہوں نے اس میں زیادہ وسیع اور زیادہ مؤثر کوششیں کی ہیں۔ ان لوگوں نے یا تو زیادہ لکھا ہے یا ان کے کام اسٹیج پر زیادہ آئے ہیں اور ہنر شناسوں نے ان کو زیادہ پہچانا اور زیادہ پسند کیا ہے اس جماعت میں بہرام بیضائی اور غلام حسین ساعدی (گوہر مراد) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ساعدی کے "چوب بدستہای ورزیل"، "باہا و زیر باہا"، "آی بیکلاہ و آی باکلاہ" اور دوسرے قابل قدر کام موجود ہیں۔ بہرام بیضائی کا "پہلوان اکبر می میرد" اور دوسرے ڈرامے اور اس کی ایک قیمتی اور تحقیقی کتاب "ہنر نمایش در ایران" بھی موجود ہے۔

تحقیق و تاریخ نگاری | ان کتابوں میں جو اس دور کے اہل قلم نے پیش کی ہیں سینکڑوں تحقیقی اور تاریخی کتابیں بھی ہیں، اور انہیں کے ساتھ ہم کو متقدمین کے شعری اور نثری آثار بھی چھپے ہوئے اور پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جس جماعت نے قدم اٹھائے ہیں وہ ان استادوں اور محققوں کی جماعت ہے جس کی محنت نے متقدمین کی سعی و محنت کو دوام بخشا ہے۔ اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک نے قدیم ادبی کتابوں کے مخطوطات کو پڑھنے اور متعدد مخطوطوں سے مقابلہ کرنے کے بعد ہر شعر اور نثر کی صحیح ترین صورت کا پتا لگایا ہے اور غلطی آمیز مخطوطات کو واقعی طور پر صحیح اور مفید شکل دے کر طبع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے تصحیح شدہ متن کے ساتھ مختلف قسم کی فہرستوں کا بھی اضافہ کیا ہے جو کتاب کے مختلف مقامات کے

مضامین کی تلاش کو آسان بناتی ہیں۔ ایک دوسری جماعت نے قدیم شاعروں اور مصنفوں کے حالات اور ان کے اسلوب نگارش کے متعلق تحقیق کی ہے اور "علم تاریخ" "تاریخ ادبیات" "اسلوب شناسی" اور "ادبی فنون" کے موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر مفید ہے۔ دوسرے مشرقی علوم کی طرح فارسی ادب میں بھی تحقیق و تصحیح کی روایت مغربی علماء نے قائم کی ہے۔

ایرانیوں میں پہلے محمد قزوینی جیسے لوگوں کو یورپ کے ایران شناسوں سے واقفیت کے نتیجے میں ایسے تحقیقی کاموں کی طرف رغبت ہوئی، ان کی بہت سی تحقیقات یورپ کے تحقیقی کاموں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ان میں سے محمد علی فروغی، حسن پیرنیا، عباس اقبال آشتیانی، محمد تقی بہار، بدیع الزماں فروزانفر، جلال الدین ہمائی، ابراہیم پورداؤد، علی اکبر دہخدا، سعید نفیسی، سید احمد کسروی، اور کچھ دوسرے لوگوں کے نام لائق ذکر ہیں۔ تہران یونیورسٹی کے قیام کے بعد بعض اکابر اس میں استاد ہو گئے ان سے تربیت پانے والے طلبہ نے اپنے استادوں کے کام کو جاری رکھا اور تحقیق کے کام میں دقیق علمی طریقوں کا استعمال کیا۔ اس طرح ان کے کام پہلی نسل کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور زیادہ مفید رہا۔ اس نسل میں سے ڈاکٹر محمد معین، ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ڈاکٹر عبد الحسین زرین کوب، ڈاکٹر محمد جعفر محجوب، اور کچھ دوسرے لوگوں کے نام نمایاں ہیں۔

مقالہ نگاری | اخباروں اور رسالوں کی اشاعت سے جو نگارشات وجود میں آئیں ان میں بعض ادبی اور فنی حیثیت کی حامل ہیں مگر ان کا بڑا حصہ ان تحریروں پر مشتمل ہے جن میں صرف وقتی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے لیکن بعض سیاسی موضوعات و مسائل سے تعلق رکھنے کی بنا پر تاریخی سند اور تاریخ کا جز بن جائیں گے۔

اہلِ مغرب کے انداز پر تحقیق و تدقیق کے آغاز کے زمانے میں ہی تحقیقی موضوعات اور زیادہ تر مذہبی، اخلاقی، ادبی اور فلسفیانہ موضوعات پر اخباروں اور رسالوں میں شائع ہونے والے مقالات کے مجموعے مرتب ہوئے جو مستند و معتبر مانے جاتے ہیں۔

ادب الاطفال | ایرانی ادب میں بچوں کے مطالعہ ودلچسپی کی جانب بھی توجہ دی گئی، قدیم فارسی ادب میں اس موضوع سے زیادہ تعرض نہیں کیا گیا ہے، اس سلسلہ کی ابتدائی کوشش کا نمونہ چودھویں صدی کے اوائل کی کتاب احمد ہے گو اس میں بھاری بھرکم الفاظ بھی ہیں تاہم اس کے مصنف عبدالرحیم طالبوف اس میں بچوں اور نوجوانوں سے ہم کلام نظر آتے ہیں گزشتہ تیس چالیس برسوں میں جب سے ایرانی اہلِ قلم کو علم نفسیات سے واقفیت ہوئی ہے تو ان کی ایک جماعت کو بچوں کے لئے بھی "لکھنے" کا خیال پیدا ہوا، اس خیال نے ان کتابوں کو وجود بخشا ہے، جن کی تعداد اگرچہ روس، امریکا اور جاپان جیسے ملکوں کی کتابوں کے برابر نہیں ہے لیکن قریبی بیس برسوں میں یہ بہت امید افزا رہی ہے۔ طالبوف کے بعد جبار باغچہ بان، ڈاکٹر محمد باقر ہوشیار، فضل اللہ مہتدی، عباس یمینی شریف، رسام ارژنگی اور موجودہ برسوں میں صمد بہرنگی اور کچھ دوسرے لوگوں نے بچوں کے ادب کی طرف توجہ دی ہے دوسری طرف یورپی ادبیات کے ترجموں اور خلاصوں نے بھی اس موضوع پر ایران کے ادبی ذخیرے میں اضافہ کیا ہے۔

شاعری | عہد اسلامی کی فارسی شاعری کی ہیئتیں عموماً ما قبل اسلام کی ہیئتوں کی ترقی یافتہ اور تکمیل شدہ صورتیں ہیں جو زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ موزوں، زیادہ خوش آہنگ اور زیادہ دل پذیر ہوتی رہی ہیں اور اسلامی عہد میں شمس قیس رازیؒ وغیرہ نے یہ کوشش کی ہے کہ ان دل پذیر اوزان کو عربوں کی عربی شاعری کے وزن شناسی کے

ارکان (افاعیل عروض) کے ساتھ تطبیق دیں، اور اس طرح فارسی شاعری کے زیادہ تر موسیقی دار اوزان عربی کے شکستہ ارکان (زحافات) سے ہم آہنگ پائے گئے ہیں، اس لئے کہ وہ افاعیل فارسی شاعری کے لئے وجود میں نہیں آئے تھے۔ باباطاہر کے اشعار اور فردوسی کے شاہنامے کا وزن عہدِ اسلام سے پہلے کے ترانوں اور نظموں میں موجود رہا ہے اور عرب سے نہیں لیا گیا ہے کہ اس کو عرب کی اوزان شناسی سے پرکھا جائے۔ "وزن"، فارسی شاعری کے تدریجی طور پر کامل ہونے کی علامت ہے اور مشکل قافیوں اور قصیدہ جیسی بڑی ہیئتوں کا استعمال فارسی اور عربی زبانوں پر قدیم ایرانی شاعروں کے تسلط کی دلیل ہے۔ لیکن خواجہ نصیر طوسی اور علامہ حلی جیسے لوگ جنہوں نے شاعری کو ایک علمی معیار پر پرکھا ہے، انہوں نے وزن کے وجود کو شاعری کی لازمی ضرورت تسلیم کیا ہے، لیکن قافیے کی طرف سے کوئی دفاع نہیں کیا ہے[۵۵]۔ حقیقت یہ ہے کہ "وزن" مقصد کے بیان کے لئے مقید نہیں کر دیتا، لیکن "قافیہ" چوں کہ ایک لفظ ہوتا ہے اور لفظ مخصوص معنی رکھتا ہے، اس لئے وہ البتہ شاعر کو مجبور کرتا ہے کہ اپنے مضمون اور خیال کو اس لفظ کا تابع بنا دے اور اسی وجہ سے "قافیہ" شاعر کی آزادی کو محدود کرتا ہے یا بندش لگاتا ہے۔ خواجہ نصیر شعر کے معنی، مضمون اور مفہوم کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ :

بے معنی مہمل الفاظ کو اگرچہ ان میں وزن اور قافیہ جمع ہو، شعر نہیں سمجھا جاتا۔"

اور تقریباً یہی بات ہے جو نیما یوشیج نے بھی کہی ہے کہ :

وزن و قافیہ ابزار کار شاعر است   وزن اور قافیہ شاعر کے کام کے آلات ہیں

اب اگر شاعر چاہے تو ان آلات سے استفادہ کرے، اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ اسی خیال

نے موجودہ شاعری میں قافیہ کے وجود کو ضروری نہیں خیال کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ "شعر" کسی احساس یا خیال کی فنی اور خیال انگیز تعبیر کا نام ہے۔ اور وہی تعبیر فنی حیثیت سے بلند پایہ ہوتی ہے جو دل پر زیادہ اچھی طرح اثر کرے اور خیال اور احساس کو زیادہ بلیغ طور پر ادا کرے۔ کوئی فنی کاوش اپنے وجود میں آنے تک تین مرحلوں سے گزرتی ہے۔ پہلے صاحب فن کے ذہن میں اس کی پرورش ہوتی ہے، پھر وہ شعر کے مضمون کے لئے ایسے الفاظ تلاش کرتا ہے جو اس کے مضمون اور خیال کو بہترین اور زیادہ قابل فہم تعبیر کے ذریعے بیان کریں۔ تیسرے مرحلے میں، وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ ان الفاظ اور تراکیب کو اس طرح ایک دوسرے سے پیوست کرے کہ ان میں ایک وزن اور آہنگ پیدا ہو جائے، اور اگر شاعر چاہے تو قافیہ بھی۔ اب اگر کوئی شاعر تیسرے مرحلے سے گزرنے سے پہلے اپنے کام کو مکمل سمجھتا ہے تو اس کا شعر معنوی اور فنی ارکان کے موجود ہونے کے باوجود بے وزن اور بے قافیے کا شعر ہوگا اور یہ متقدمین کی شاعرانہ نثر کی طرح کی ایک چیز ہوگی جس کے عمدہ نمونے ہم کو خواجہ عبداللہ انصاری کی نثر میں ملتے ہیں اور اسلوب شناسوں نے اس کو "شعر منثور" (نثری شاعری) کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شاعر وزن اور قافیے کی پابندی کے لئے الفاظ کی ترتیب بدلنے کو کلام کی بلاغت کے کم [illegible] کا سبب سمجھتا ہو (اور ایک حد تک ایسا ہے بھی) اس صورت میں وزن اور قافیے کا ترک کر دینا ناقابل معافی گناہ نہیں ہوگا، اس لازمی شرط کے ساتھ کہ شاعر اپنی کم زوری اور کم علمی کو چھپانے کے لئے وزن کو ترک نہ کرے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ قدیم شاعری کی ہیئتوں میں قافیہ شاعر کو زیادہ مقید کر دیتا ہے اسی وجہ سے وقت کے گزرنے کے ساتھ قصیدے نے اپنی جگہ غزل اور مثنوی کو دے

دی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری سے شاعروں نے زیادہ تر ان ہیئتوں کی طرف توجہ کی ہے جن میں ایک قافیے کی پیروی بہت کم کی جاتی ہے۔ نیما کے طرز کی شاعری کی ہیئتوں میں بھی قافیہ پورے طور پر متروک نہیں ہوا ہے لیکن بہت سے ایسے نمونے موجود ہیں جن میں قافیہ کی رعایت کی گئی، لیکن ہم قافیہ الفاظ کا تسلسل اور تکرار بھی اس طرح نہیں ہے کہ ہمیشہ ہر شعر یا ہر بند کے آخر میں نظر آئے۔ کبھی ہم قافیہ مصرعوں کے بیچ میں دو یا تین چھوٹے بڑے مصرعوں کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہوتا ہے جس میں باقاعدہ ترتیب نہیں پائی جاتی۔ مثال کے طور پر یہ ممکن ہے کہ پہلے تین مصرعے چھوٹے ہوں اور ان کے بعد ایک یا کئی طویل مصرعے رکھے جائیں۔ قدیم شاعری میں "مستزاد" کے نام سے ایک ہیئت موجود ہے جس کے ہر بڑے مصرعے کے بعد ایک چھوٹا مصرعہ ہوتا ہے اور یہ ترتیب نظم کے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ یہ ہیئتیں گویا ایک حد تک ایسے مستزاد کی مانند ہیں جس میں باقاعدہ ترتیب کی رعایت نہ کی گئی ہو۔

اس وقت کی چار مصرعوں والی ہیئت، بھی قدیم دو شعروں والے قطعات کی طرح کی ایک چیز ہے، اس فرق کے ساتھ کہ آج کی شاعری میں دو، دو شعر کے چند قطعات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نظم کی ایک ہیئت کو وجود میں لاتے ہیں۔ اس لئے موجودہ شاعری میں قصیدہ اور غزل کی ہیئتیں متروک ہو گئی ہیں اور نیما کے انداز کی ہیئتوں میں وزن پایا جاتا ہے اور ان میں سے بہت سی قافیہ بھی رکھتی ہیں۔ غرض مجموعی طور پر شاعری کی ہیئتوں میں قدیم شاعری کی ہیئتوں کے ساتھ عدم مماثلت کے مقابلہ میں مماثلت زیادہ ہے، اور یہ تعجب کی بات ہے کہ ہیئت کی ذرا سی تبدیلی پر ہم زیادہ بحث کریں اور اس کو ایک قسم کی "ایجادِ بندہ" قرار دیں اور یہ فراموش کر دیں کہ "شعر کی اصلیت خیال، مضمون اور عمدہ اسلوب تعبیر

ہے۔ "ہر وہ شعر جس کے اندر کوئی نیا خیال، اور کوئی قیمتی مضمون کسی فنی تعبیر کے ساتھ پیش کیا جائے وہ "نیا شعر" ہے، یہاں تک کہ خواہ وہ ہزاروں برس پہلے موزوں کیا گیا ہو۔ اس بنا پر "شعرِ نو" (نئی شاعری) کی ترکیب آج کل کے شعری ادب کیلئے استعمال کرنا درست ہے اس لیے کہ شعر کا "نیا" ہونا برسوں اور مہینوں سے تعلق نہیں رکھتا۔ بہرحال اس ترکیب کا اطلاق ان نگارشات پر کیا گیا ہے جو نیما کا راستہ کھلنے کے بعد پیش کی گئی ہیں اور جن کے اندر آج کی زندگی کے مسائل اور دنیا کے عہد کی مختلف قسم کی دشواریوں اور تلخیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ نیما کا تتبع کرنے والوں میں بعض نے اس سے بہتر شعر بھی کہے ہیں جیسے احمد شاملو، مہدی اخوان ثالث، نادر نادر پور اور فروغ فرخزاد۔ کچھ اور لوگ بھی اس طرز و روش میں آگے بڑھے ہیں۔

"نئی شاعری" یا "نیمائی شاعری" کے بعد ایک اور جماعت نے یہ خیال کیا کہ صرف مسائل کا سادہ اور واضح بیان اور آج کی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کی مؤثر تعبیر ہی کافی نہیں ہے اور شاعر کو اسی پر قناعت نہیں کرنی چاہیے کہ لوگ اس کے اشعار سے مست ہو جائیں اور اس کو اپنے دل کی آواز سمجھ لیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ:

"ہم اپنے اندر سے اور زندگی سے ایسی باتیں سنتے ہیں جن کے سننے کی سب لوگ طاقت نہیں رکھتے اور ہماری تلاش "ان کہی باتوں" کا کہنا ہے۔"

اس جماعت کی شاعری "موج نو" کی اصطلاح سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کے اندر شاعر جو کچھ سوچتا ہے اس کا ایک مجموعی اور مبہم خاکہ الفاظ کی شکل اختیار کرتا ہے اور قاری اگر تیز ذہن اور گہرا ادراک رکھتا ہو تو اس خاکے سے کچھ پیغام حاصل کرتا اور کچھ نئے خیالات تک پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ "موج نو" کی شاعری کے اندر شاعر ان رابطوں پر غور کرتا ہے جو خیال اور مضمون کو ایک ذہن سے دوسرے ذہن تک منتقل کرتے ہیں اور وہ اپنے ذہن و خیال کی ہر رفتار کو انہیں الفاظ کے ساتھ کاغذ پر … پہ … ہے جن کے ربط کو وہ اس خاص

دقت پر جانتا ہے۔ اسی وجہ سے "موج نو" کی شاعری واضح نہیں ہے اور ابہام رکھتی ہے اور کبھی کبھی اس میں کسی لفظ یا ترکیب یا عبارت کا استعمال ایسے معنی کے لئے ہوتا ہے جن کے لئے پہلے کبھی نہیں ہوا ہے، اور یہی چیز قاری کو کم و بیش الجھن میں ڈال دیتی ہے اور ایک اسلوب شناس کو یورپی ادبیات کی "سوررئیلسٹی"[7] کی یاد دلاتی ہے۔ اس میں اصطلاح کے مطابق، شعر کا ذہنی عنصر یا شعر کا خالص لفظ، عبارت اور قافیے پر توجہ کے بغیر اہم ہوتا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ "موج نو" نے وزن کو بھی آزاد کر دیا ہے۔ اس کی لہر میں بہنے والے اپنے لفظوں اور ترکیبوں میں ایک طرح کا معنوی اور تخیلی تناسب دیکھتے ہیں جو ان کو خیال انگیزی اور قدیم اوزان کی تاثیر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ موج نو کی کاوشوں پر ابھی تفصیل سے کچھ کہنا ممکن نہیں تاہم اس کا ذخیرہ تخیل و تعبیر سے یکسر خالی نہیں۔

حواشی

[1] BASTILLE کے معنی ہیں قلعہ اور پیرس کے اس قدیم قید خانے کا نام بھی باسٹیل تھا جو فرانس کے انقلاب عظیم کے موقع پر ۱۴ر جولائی ۱۷۸۹ء کو عوام کے ہاتھوں ویران ہوا۔ [2] ایران کا سب سے پہلا اخبار جاری کرنے والے میرزا محمد صالح شیرازی کو عباس میرزا نے ہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ بھیجا تھا۔ [3] ایک بار خسرو میرزا کے ساتھ اور دوسری بار ناصر الدین میرزا کے ساتھ۔

[4] یہ انگریزی لفظ NEWSPAPER کا ترجمہ ہے۔ [5] کتاب "المعجم فی معاییر اشعار العجم" کا مصنف۔

[6] منطقیوں کے نزدیک شعر کا اطلاق ایسے کلام پر ہوتا ہے جس میں خیال اور وزن پایا جائے اور جمہور یعنی (عوام) کی تعریف کے مطابق شعر اس کلام کو کہتے ہیں جس میں وزن اور قافیہ پایا جائے۔ (معیار الاشعار، نصیر طوسی)

[7] SURREALISTIC۔

مراجع

(۱) اندیشہ ہائے میرزا آقاخان کرمانی، ڈاکٹر فریدون آدمیت (۲) اندیشہ ہائے میرزا فتح علی آخوندزادہ، ڈاکٹر فریدون آدمیت (۳) از صبا تا نیما، یحیی آرین پور (۴) کلیات تاریخ تمدن جدید، عباس اقبال آشتیانی (۵) خاطرات سیاسی، امین الدولہ میرزا علی (۶) تاریخ ادبی ایران، ایڈورڈ براؤن (۷) تاریخ ادبیات و مطبوعات جدید ایران، ایڈورڈ براؤن (۸) سبک شناسی، ملک الشعراء محمد تقی بہار (۹) کندوکاو در مسائل تربیتی ایران، صمد بہرنگی (۱۰) خط و فرہنگ، ذبیح بہروز (۱۱) ہنر نمایش در ایران، بہرام بیضائی (۱۲) ارزش احساسات، ڈاکٹر ابوالقاسم جنتی عطائی۔ (۱۳) وزن شعر فارسی، ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری (۱۴) تذکرہ شعرائے معاصر، عبدالرحیم خلخالی، (۱۵) شعر بے دروغ، شعر بے نقاب، ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب (۱۶) اصول ادبیات کودکان، علی اکبر شعاری نژاد (۱۷) سفرنامہ میرزا صالح شیرازی، اسمٰعیل رائین (۱۸) تاریخ فرہنگ ایران، ڈاکٹر عیسیٰ صدیق (۱۹) تاریخ فرہنگ اروپا، ڈاکٹر عیسیٰ صدیق (۲۰) تاریخ ادبیات در ایران، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا (۲۱) تاریخ مطبوعات، جہانگیر صلح (۲۲) منشآت، ابوالقاسم قائم مقام۔

عربی، فارسی اور اردو رامائنیں

از

جناب رام لعل نابھوی، نابھا، پنجاب

معارف میں اس سے پہلے جناب رام لعل نابھوی کا مضمون رامائن اور مسلمان شائع ہو چکا ہے اب انہوں نے اردو، فارسی اور عربی رامائنوں کی ایک مزید مکمل فہرست بھیجی ہے اس میں مسلمانوں کی بھی لکھی ہوئی ہیں جو ان کی علمی و مذہبی بے تعصبی اور فراخ دلی کا نمایاں ثبوت ہے اور اس سے ہندوؤں کی فارسی و اردو سے دلچسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ (معارف)

عربی رامائنیں

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مطبوعہ یا مخطوطہ	[illegible]	نام مطبع یا [illegible]	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱	ملحمۃ راما	ودیع البستانی لبنانی	مخطوطہ			۳۰۸	[illegible]	منظوم	انڈین کونسل آف کلچرل ریلیشنز میں موجود ہے۔
۲	راما یانا		مطبوعہ		۱۹۸۶ء [illegible]	۹۹	[illegible]	منثور	انڈین کونسل اوف کلچرل ریلیشنز نے شائع کیا
۳	رامائن	[illegible]			قاہرہ [illegible]				دہلی یونیورسٹی

فارسی رامائنیں

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف / مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوط	سال اشاعت / مقام اشاعت	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱	رامائن فارسی	امانت رائے	مطبوعہ		۱۲۸۸ ھجری نولکشور	۹۷۹	بڑا	منظوم	نابھوی کے پاس ہے۔ قلمی نسخہ پاکستان میں ہے۔ دیکھئے نسخہ ہائے فارسی مخطوطات جلد چہارم مرکز تحقیقات فارسی ایران پاکستان الگ نسخہ ۱۸۷۲ء ہارڈنگ لائبریری دہلی میں ہے۔
۲	[illegible] رامائن	[illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۱۸۷	بڑا	منظوم	کتب خانہ نابھوی میں ہے
۳	رامائن	سمیرانند لعل							مہر سنگھ گوجرانوالہ کی رامائن میں آخری صفحہ پر چند سطور یا سی فارسی رامائن کی درج ہیں اور لکھا گیا ہے کہ کتاب مکمل ہو چکی ہے۔ جو بھاری ہے۔ چھپنے کے لئے تیار ہے قیمت بھی درج کی گئی ہے۔
۴	رامائن	[illegible]	مطبوعہ		ایران	۹۶ ام اول ۲۰۰ ام دوم	بڑا	منثور	نابھوی کے پاس ہے۔
۵	منتخب رامائن	اقبال [illegible]	مطبوعہ		ایران	۱۱۲	[illegible]	منثور	,,
۶	رامائن	عبدالقادر بدایونی	مخطوط						قلمی نسخہ پاکستان میں ہے۔ دیکھئے نسخہ ہائے خطی فارسی جلد چہارم صفحہ ۲۱۵۵ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ دیگر منتخب التواریخ۔ دربار اکبری۔ فارسی رامائن عہد اکبر و اطہر میں ہے۔
۷	ترجمہ رامائن	[illegible]	مخطوط		۱۰۸۱ھ [illegible]			منظوم	یہ نسخہ کتب خانہ ندوہ میں ہے دیکھئے فہرست نسخہ خطی فارسی مرکز تحقیقات۔ فارسی۔ ہند
۸	رامائن فرخ نام	[illegible]							مہاراجہ رنجیت سنگھ والے نے بھائی چار ہزار اشعار پر مشتمل یہ رامائن لکھوائی صلہ میں منصب تاحیات ملا۔ دیکھئے آج کل ج ۱۶ ۱۹۵۸ء اور داستان ادب حیدرآباد۔ صفحہ ۱۷۳
۹	رامائن	[illegible]							دیکھئے داستان حیدرآباد از قادری زور صفحہ ۱۴۵
۱۰	رامائن وظیفہ فیضی	فیضی	مخطوط					منثور	یہ نسخہ پاکستان میں ہے۔ دیکھئے نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان جلد چہارم تحقیقات فارسی مرکز ایران صفحہ ۲۰۵۹۔
۱۱	رامائن مسیحی	ملا مسیحی کیرانوی	مخطوط						اس رامائن کے قلمی نسخے بہت سی لائبریریوں میں ہیں۔ کئی کئی نسخے ایک ہی لائبریری میں بھی ہیں۔ اوراق نابھوی کے پاس۔

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال اشاعت و نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
	رامائن تلسی	[illegible]	مطبوعہ		۱۸۹۹ نول کشور	۳۲۱	[illegible]	منظوم	یہ رامائن گورونانک یونیورسٹی میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۱۲	رامائن	ابوالفضل	مخطوطہ						یہ نسخہ پاکستان میں ہے۔ دیکھئے نسخہ ہائے خطی پاکستان جلد ۶۔ صفحہ ۱۴۵ امرکز تحقیقات فارسی ایران
۱۳	رامائن	غلام عدل	مخطوطہ						یہ مخطوطہ آرکائیوز ڈپارٹمنٹ پنجاب میں ہے۔ نمبر ۶۴/ایم ہے
۱۴	[illegible]	[illegible]	مخطوطہ	۱۲۰۳		۳۴۲	[illegible]	منثور	عبدالسلام کلکشن ۶/۱،۴ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
۱۵	رنگستان	چندر بھان بیدل	مخطوطہ	۱۱۰۵ ہجری		۱۵۴	[illegible]	منظوم	حبیب گنج کلکشن ۱۴۲/۲ ۵۰ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
			مطبوعہ		۱۸۷۸ نول کشور				آزاد لائبریری
۱۶	رامائن	چندر بھان بیدل	مخطوطہ	۱۰۹۶ ہجری				منثور	یہ منثور نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ دیکھئے فارسی بہ امداد رنگ زیب۔ [illegible]

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال اشاعت و نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۷	ضمیمہ رامائن	چندر بھان بیدل	مخطوطہ						ایشیاٹک کے مخطوطہ نمبر ۱۹۶/۴ میں موجود ہے۔
۱۸	رام گیتا	سنت سنگھ	مخطوطہ	۱۲۴۱ ہجری		۱۵	″۸½ × ۵¼		عبدالسلام کلکشن مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ۔
۱۹	رام گیتا ادھیاتم رامائن	سنت سنگھ	مخطوطہ						رام گیتا میں ابتدائی سطروں میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ انہوں نے رام گیتا کے عنوان سے ادھیاتم رامائن کے ساتویں باب کے محض ایک حصے کا ترجمہ کیا ہے۔
۲۰	ترجمہ رامائن امر پرکاش	امر پرکاش	مخطوطہ	۱۲۳۱ ہجری		۶۸	[illegible]		ذخیرہ سر سلیمان آزاد لائبریری علی گڑھ
۲۱	رامائن امر پرکاش	امر پرکاش	مطبوعہ		۱۸۸۶ء نول کشور	۵۲۴	بڑا	منثور	مکمل کتاب دہلی یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ نابھوی کے پاس چند اوراق ہیں۔ مکمل کتاب ہارڈنگ لائبریری میں ہے۔
۲۲	خلاصہ رامائن	پنڈت [illegible]	مطبوعہ		۱۸۹۳ء مطبع [illegible]	۵۱	چھوٹا	منظوم	دہلی یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت یا سال تصنیف	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۲۳	رامائن	نامعلوم	مخطوطہ			۲۴۸		منثور	مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
۲۴	ایک رامائن		مخطوطہ		۱۱۹۵				اصل نسخہ ایشر سنگھ نارا دہلی کے پاس ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۲۵	رامائن		مخطوطہ			۳۶۱		منثور	اس نسخے کی فوٹو سٹیٹ کاپی ہریانہ اردو اکاڈمی میں ہے کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۲۶	رامائن فارسی	گرلال	مطبوعہ		۱۸۸۵ نول کشور	۱۰۰	۲ جلد	منظوم	اصل کتاب ڈاکٹر پریتم سینی سنگرور کے پاس ہیں۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۲۷	رامائن		مخطوطہ					منثور	اصل نسخہ گورو نانک دیو یونیورسٹی میں ہے M/s 1222 کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۲۸	ترجمہ رامائن	گوپال جی سری گوبند	مخطوطہ			۲۶۸		منثور	نسخہ ندوہ میں ہے۔ دیکھئے فہرست ہائے نسخہ خطی فارسی مرکز تحقیقات فارسی ہند۔ یہ نسخہ پاکستان میں بھی ہے

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت یا سال تصنیف	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۲۹	رامائن	گردھر داس کایستھ	مخطوطہ		۱۰۲۶ ہجری			منظوم	نسخہ پاکستان میں ہے۔ دیکھئے فہرست ہائے نسخہ خطی فارسی مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان موزہ پاکستان۔ یہ نسخہ کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی میں بھی ہے
۳۰	پوتھی رامائن	گنگا بشن بن لعل					۵۷	9×15	مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں نسخہ ہے۔
۳۱	ادھیاتم رامائن	نامعلوم							نسخہ ہائے خطی کشمیر و بھوپال۔ مرکز تحقیقات فارسی در ہند
۳۲	[illegible]								نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان جلد چہارم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
۳۳	رامائن	منشی موہن سنگھ	مخطوطہ					منظوم	دیکھئے نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان جلد چہارم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ یہ نسخہ موہر گے کی فارسی رامائن سے الگ ہے۔ کیوں کہ دونوں کا آغاز الگ الگ شعر سے ہے

نمبر شمار	نام رامائن	مولف یا مصنف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	سنہ تاریخ مخطوطہ	سال و مقام طباعت	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۳۴	رامائن	اسماعیل	مخطوطہ						دیکھئے نسخہ ہائے خطی فارسی جلد چہارم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
۳۵	رام جنم	شمس الدین فقیر	مخطوطہ			۱۳	۳۰×۴۰	منثور	دیکھئے نسخہ ہائے خطی فارسی جلد چہارم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اور مراۃ العلوم خدا بخش لائبریری پٹنہ سوئم
۳۶	رامائن (مختصر) [illegible]	کھمی رام برہمن	مخطوطہ	۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸					قلمی نسخہ پاکستان میں ہے۔ دیکھئے نسخہ ہائے خطی پاکستان جلد چہارم مرکز تحقیقات فارسی ایران
۳۷	رام نام	رام داس قابل	مخطوطہ	۱۲۸۱ ہجری	۱۹۲۱	۲۰۱	[illegible]	[illegible]	ایضاً یہ چھپی ہوئی کتاب ہارڈنگ لائبریری میں ہے
۳۸	رام و سیتا	سیتا رام کاشی	مخطوطہ	۱۲ صدی		۹۵		منظوم	خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے دیکھئے مراۃ العلوم جلد سوئم
۳۹	رامائن			۱۳ صدی		۲۵۸		منظوم	" "
۴۰	رامائن		مخطوطہ						یہ نسخہ پرشین سیل ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ میں ہے

نمبر شمار	نام رامائن	مولف یا مصنف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	سال و مقام اشاعت	صفحات	سائز	سنہ تاریخ مخطوطہ	منظوم یا منثور	کیفیت
۴۱	[illegible]	کشن لال		نول کشور	۱۹۶	۱۱×۷			اصل بند مسعود لکھنوی کے پاس ہے
۴۲	[illegible]		مخطوطہ						پنجاب یونیورسٹی میں MS 161 ہے
۴۳	رام گیتا		مخطوطہ						سنٹرل اسٹیٹ لائبریری پٹیالہ نمبر M/S. 283
۴۴	رامائن	ولدو رام زائر	مخطوطہ				۱۸۹۵ ہجری		سنٹرل اسٹیٹ لائبریری پٹیالہ نمبر M/S 1677
۴۵	رامائن	[illegible]	مخطوطہ		۳۴۵		۱۰۸۹ ہجری		فہرست نسخہ خطی جلد چہارم صفحہ ۲۱۵۸ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
۴۶	رامائن	آنند گھن خوش	مخطوطہ					منظوم	فہرست نسخہ خطی جلد چہارم صفحہ ۲۱۳۶ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
۴۷	[illegible]		مخطوطہ						غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی
۴۸	[illegible]	[illegible]	مخطوطہ						تذکرہ شعرائے ہنود صفحہ ۱۲۷
۴۹	رامائن	امر سنگھ	مخطوطہ				۱۱۹۲	منثور	نسخہ ہائے خطی فارسی جلد چہارم صفحہ ۲۱۵۵ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

نمبر شمار	نام راماین	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	سال تالیف یا سال طباعت	صفحات	سائز	تاریخ مخطوط	منظوم یا منثور	کیفیت
۵۰	راماین ترجمہ راماین	سکھن	مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی جلد ۶ صفحہ ۹۹۱۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
۵۱	آتمک راماین		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۲۰
۵۲	بحر حیات راماین		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۲۶
۵۳	پچھمن رام		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۳۱
۵۴	پرم آنند راماین		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۳۱
۵۵	ضمیمہ راماین		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۳۴

نمبر شمار	نام راماین	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوط	سال تالیف یا سال طباعت	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۵۶	رام راماین چند کوی		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۴۵
۵۷	سوانح عمری راماین		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۵۴
۵۸	ستا راماین		مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۵۵
۵۹	گیتی راماین	سدانند	مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۲۷۳
۶۰	راماین والمیکی	آنند چند وتوش	مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۴۰۴
۶۱	راماین والمیکی	امر سنگھ	مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۴۰۴

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ نقل	سال تالیف یا ترجمہ	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۶۲	رامائن تلسی داس	دیبی داس کایستھ	مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۴۰۴
۶۳	رامائن والمیکی	چندرمن کایستھ	مخطوط						نسخہ ہائے خطی فارسی مرکز تحقیقات در ایران و پاکستان جلد ششم صفحہ ۱۴۰۴
۶۴	رامائن، داستان رام و سیتا	سدا سکھ	مخطوط						فہرست ہائے نسخہ خطی جلد ششم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان صفحہ ۱۴۰۵
۶۵	فرہنگ رامائن	دوارکا پرشاد	مخطوط						فہرست مخطوطات شیرانی جلد دوم ۳۱۷
۶۶	سیتا رام	بکرم جیت حیرت	مخطوط						داراشکوہ از ڈاکٹر بکرم جیت حیرت نابھا اور مقالہ رامائن ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی
۶۷	رامائن		مخطوط						فہرست نسخہ ہائے فارسی دانش گاہ پنجاب آذر صفحہ ۱۹۸ پاکستان
۶۸	رامائن	چندرمن	مخطوط						

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	سال تالیف یا ترجمہ	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	تاریخ نقل	کیفیت
۶۹	رامائن		مخطوط						قلمی نسخہ گورو نانک دیو یونیورسٹی میں ہے M/273ء
۷۰	رامائن	[illegible] ابراہیم بن نور الدین	مخطوط						فہرست نسخہ ہائے فارسی جلد چہارم صفحہ ۲۱۵۹ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
۷۱	سیتا بن باس	انیس لال	مخطوط						بنگلہ زبان سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔
۷۲	خلاصۂ رامائن	[illegible]	مخطوط						دیکھئے مقالہ اظہر دہلوی
۷۳	[illegible] رامائن	[illegible]	مخطوط						”
۷۴	داستان رامائن	[illegible]	مخطوط						”
۷۵	داستان رام و سیتا	بہادر علی	مخطوط						”
۷۶	رامائن								خطبات گارساں دتاسی۔ صفحہ ۳۷ پر درج ہے کہ مہاراجہ بنارس کی فرمائش سے شرح طبع ہو رہی تھی۔ جلدی ۱۸۵۲ میں تکمیل ہوئی

نمبر شمار	نام رامائن	مؤلف یا مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوط	سال طباعت نام مطبع	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۷۷	رامائن تلسی کرت		مطبوعہ		[illegible] نول کشور				دیکھئے اشتہار رامائن فارسی امر پرکاش جو ہارڈنگ لائبریری دہلی میں ہے
۷۸	[illegible] رامائن		قلمی			۴۶۳			فہرست کتب عربی. فارسی. اردو کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی ۱۳۳۲ھ جلد اول ص ۲۲۰، ۲۲۱
۷۹	ترجمہ رامائن	[illegible]	مطبوعہ			۳۹۴			"

اردو رامائنیں

نمبر شمار	نام رامائن	مؤلف یا مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوط	سال طباعت نام مطبع	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱	والمیکی	[illegible] دیال مختار	مطبوعہ		۱۹۵۶ نول کشور	۸۰۶	بڑا	منثور	نابھوی کتب خانہ۔ اس رامائن کے کئی ایڈیشن چھپے۔ کچھ ایڈیشن مختلف لائبریریوں اور گھروں میں موجود ہیں۔ دوسری مرتبہ ۱۹۱۶ء میں چھپی۔
۲	تلسی کرت	سکھدیو لال	مطبوعہ		۱۹۱۶ نول کشور	۱۱۵۶	بڑا	منثور	نابھوی کتب خانہ۔ اس رامائن کے کئی ایڈیشن چھپے۔ کچھ مختلف لائبریریوں اور گھروں میں موجود ہیں اول مرتبہ ۱۸۸۷ء میں چھپی

نمبر شمار	نام رامائن	مؤلف یا مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوط	سال طباعت نام مطبع	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
									یہ ایڈیشن محکمہ السنہ پنجاب میں موجود ہے۔
۳	تلسی کرت	[illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۲۶۲	بڑا	منظوم	یہ رامائن ایک قافیہ ہے۔ تلسی رامائن کا منظوم اردو ترجمہ ہے نابھوی کتب خانہ۔
۴	رامائن یک قافیہ	[illegible]	مطبوعہ		۱۹۱۵ نول کشور	۸۸	کتابی [illegible]	منظوم	نابھوی کتب خانہ۔ پہلے بھی چھپی تھی۔ یہ رامائن یک قافیہ ہے۔
۵	رامائن [illegible]	[illegible]	مطبوعہ		۱۹۳۲ نول کشور	۲۶۸	بڑا	منظوم	نابھوی کتب خانہ میں چند صفحات ہیں
۶	رامائن تلسی کرت	[illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۳۱۱ [illegible]	بڑا	منظوم	نابھوی کتب خانہ میں چند صفحات ہیں۔ بال کانڈ ۳۱۱ صفحات تک ہیں۔ اس کے بعد کا پتہ نہیں۔
۷	تلسی رامائن	[illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۱۳۲۰	بڑا	منثور	نابھوی کتب خانہ میں چند صفحات ہیں۔ مکمل محکمہ السنہ پنجاب میں ہے۔

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف / مؤلف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوط	سال اشاعت مع مقام اشاعت	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۸	رام اوتار	گرو گوبند سنگھ	مطبوعہ		[illegible]	۵۵	بڑا	منثور	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۹	تلسی رامائن	[illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۶۰۸	بڑا	منثور	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۱۰	والمیکی رامائن	از [illegible] لکھنوی	مطبوعہ		۱۹۲۱ء [illegible]		ڈیمائی		نابھوی کتب خانہ میں ہے
۱۱	والمیکی رامائن	منور لکھنوی	مطبوعہ		[illegible]	۱۵۲۶	ڈیمائی	منثور	نابھوی کتب خانہ میں ہے۔
۱۲	رامائن	[illegible]	مطبوعہ		[illegible] لکھنؤ ۔ نول کشور	۱۵۸	بڑا	منظوم	نابھوی کتب خانہ میں ہے

(باقی)

کفایۃ المنتہی

ایک نادر و نایاب مخطوطہ

از
جناب مولانا سرفراز احمد صاحب اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ کا کتب خانہ "المکتبۃ المرکزیۃ" گو زیادہ بڑا نہیں ہے تاہم مختلف علوم و فنون خصوصاً تفسیر و قرآنیات کی اہم کتابوں پر مشتمل ہے، کتب خانہ میں مخطوطات کا ذخیرہ بھی زیادہ نہیں ہے مگر جس قدر بھی ہے وہ قیمتی، نایاب اور نادر ہے، مگر وسائل کی کمی اور جدید ذرائع کے فقدان کی وجہ سے ابھی تک ان پر کوئی علمی و تحقیقی کام نہیں ہوا ہے، اس مختصر تحریر کا مقصد ایک اہم مخطوطہ کی جانب اہل علم و اصحاب نظر کی توجہ مبذول کرانا ہے۔

نسخہ کا نام، موضوع اور اس کی مختصر کیفیت

اس قلمی نسخہ کا نام کفایۃ المنتہی ہے جو فن نحو میں ہے، مخطوطات کے کلکشن میں اس کا نمبر ۲۵ ہے اور سائز $\frac{28\times20}{8}$ ہے، اوراق کی تعداد ۱۳۶ ہے، ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں، رسم الخط فارسی نستعلیق اور پختہ ہے، جابجا سرخ روشنائی سے فصول اور ذیلی عنوانات کو نمایاں کیا گیا ہے مگر نہ کاتب کا نام کہیں درج ہے اور نہ تاریخ و سن کتابت کا کوئی اندراج ہے۔

یہ قلمی نسخہ دراصل ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے ذخیرہ کتب میں تھا جو ان کی وفات کے بعد ان کے کتب خانہ کی اور کتابوں کی طرح مدرسۃ الاصلاح کے کتب خانہ میں آگیا، مولانا نے اس کے سرورق پر تحریر فرمایا ہے کہ انہیں ان کے ماموں حاجی مولوی

محمد حسین ساکن موضع مرزا پور ضلع اعظم گڑھ نے عنایت کیا تھا۔

یہ کتاب نحو کی مشہور کتاب المفصل للزمخشری کے طرز پر لکھی گئی ہے، مصنف نے بھی ہر ہر نحوی مسئلہ کی ابتدا صاحبِ مفصل ہی کی طرح علیحدہ فصل سے کی ہے، مولانا فراہیؒ نے کتاب کے سرورق پر اپنے ایک نوٹ میں کتاب کے متعلق لکھا ہے۔

"ھٰذا الکتاب مبنی علی المفصل ولکن المصنف رحمه الله زاد علیه وبین وسهل"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل یہ مفصل کی مطول شرح ہے۔

مولانا فراہیؒ نے پنسل سے فصلوں کے عنوانات قائم کرنے کے علاوہ جا بجا مفید اور پر مغز حواشی بھی تحریر کئے ہیں اس سے اس مخطوطہ کی اہمیت اور قدر و قیمت بڑھ گئی ہے۔

کتاب کی ترتیب یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین قسموں پر مشتمل ہے، مقدمہ میں کل ۱۲ سطریں ہیں، باقی تینوں قسموں میں نحو کی مشہور تقسیم کے مطابق بالترتیب اسم، فعل اور حرف کے مباحث درج ہیں۔ کتاب کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے: "الحمد لله الذی اکرمنا بجلائل نعمه واعزنا بلطائف علمه وجعل علم النحو مرقاة لفهم المعنی وذریعة الی ادراك النظم الفرقانی ..."

خاتمہ کے الفاظ یہ ہیں: "فلنختم الکلام حامدین ومصلین علی من اصطفاه وسائلین منه ان یختم لنا بحسن العافیة وخیر الخاتمة۔"

مصنف مخطوطہ کے مصنف کا نام صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین الردولوی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا وطن اودھ کا مشہور قصبہ ردولی تھا جو ضلع بارہ بنکی میں واقع اور نامور صوفی بزرگ حضرت شاہ عبدالحق ردولویؒ کا بھی وطن تھا، قاضی

شہاب الدین دولت آبادی مصنف کے نانا تھے جن سے انہوں نے کسب فیض بھی کیا تھا، ان کے سن ولادت کا پتہ نہیں چلا مگر وفات ۱۳ ذی قعدہ ۸۱۹ھ میں ہوئی، علم وفضل کی طرح تصوف وسلوک میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، مشہور صوفی بزرگ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے بھی لطائف اشرفی میں ان کے علم ومعرفت میں کامل ہونے کی صراحت کی ہے۔

زیر نظر کتاب سے بھی مصنف کے علمی تبحر، وسعت نظر اور فنِ نحو کے جزئیات پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ نحو کے مختلف مدارس اور ائمہ نحو کی آراء ان کے دلائل وشواہد اور وجوہ اختلاف سے بھی اچھی طرح واقف تھے مگر کتاب کے مباحث میں منطقیانہ وفلسفیانہ اسلوب کی آمیزش ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید، احادیث نبوی اور کلام عرب پر بھی مصنف کی گہری نظر ہے اور انہوں نے نحوی مسائل کے استنباط واستشہاد میں ان سے پورا فائدہ بھی اٹھایا ہے۔

مصنف کثیر التصانیف تھے مگر ان کی تصنیفات میں صرف دستور المبتدی اور غایۃ التحقیق شرح کافیہ لابن الحاجب ہی کا ذکر ملتا ہے، اول الذکر فارسی زبان میں صرف کا ایک مختصر رسالہ ہے جو مع تکملہ وتبصرہ مجیدی پریس کانپور سے جولائی ۱۹۱۱ء میں چھپا اور ۲۷ صفحے کا ہے۔ اس کو مصنف نے اپنے فرزند اسماعیل بن صفی حنفی کے لئے لکھا تھا، اس کتاب کا مطبوعہ نسخہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی مرکزی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی انہیں صاحب تصانیف کثیرہ بتایا ہے مگر مذکورہ

بالا دونوں کتابوں کے علاوہ کسی اور تصنیف کا نام نہیں لیا ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں صرف غاية التحقيق کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

راقم کے علم کے مطابق زیر نظر مخطوطہ ابھی تک طبع نہیں ہوا، غالباً یہ مصنف کی آخری تصنیف ہے لیکن اس کے ابتدائی چھ صفحات (۳ اوراق) بشمول مقدمہ مصنف کے تصنیف کیے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان کے پڑپوتے حمید الدین کے لکھے ہوئے ہیں جو خود صاحبِ علم وفضل تھے، مقدمہ نگار لکھتے ہیں: "زمانہ فساد ہند میں ابتدا تا بزوبرہ" الخ ضائع ہوگیا تھا۔ اصل مخطوطہ میں بزوبرہ ورق ۴ کی پہلی سطر میں آیا ہے۔

چونکہ اصل کتاب کا کوئی دوسرا نسخہ موجود نہیں تھا بلکہ وہ مسودہ کی صورت میں تھی اس لیے انہیں اسے مکمل کرنے کا خیال ہوا اور ضائع شدہ حصہ کو خود لکھ کر کتاب مکمل کر دی۔

راقم کو بہت دنوں سے اس کتاب کے دوسرے قلمی یا مطبوعہ نسخوں کی تلاش ہے جس کے لیے مختلف اہلِ علم اور کتب خانوں کی جانب رجوع بھی کیا گیا مگر ابھی تک کہیں کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔ اس تحریر کے ذریعہ ان سے پھر رہنمائی کا خواستگار ہوں تاکہ اس قیمتی نسخہ کو ایڈٹ کر کے شائع کیا جائے۔

معارف: مصنف کے حالات تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب نزہۃ الخواطر کے علاوہ مولوی رحمان علی نے کسی قدر تفصیل سے تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خاندان سے ان کا نسبی تعلق تھا اس لحاظ سے مشہور صوفی بزرگ حضرت شاہ عبدالحق ردولوی (م ۸۳۶ھ) کے خانوادہ سے ان کا تعلق نہیں تھا، مولوی رحمٰن علی نے تحریر کیا ہے کہ:

"انہوں نے شروح و متون پر مشتمل عربی و فارسی کی بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں دستور المبتدی، حل التراکیب کافیہ اور غاية التحقيق شرح کافیہ مشہور ہیں (ص ۹۷)"

مولانا ابو الکلام آزادؒ پر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کا سمینار

از:- ضیاء الدین اصلاحی

مولانا ابو الکلام آزاد صدی تقریبات کے سلسلے میں ملک کے مختلف حصوں میں سمینار ہو رہے ہیں۔ راقم الحروف کو جن سمیناروں میں شرکت کا موقع ملا ان میں دو زیادہ اہم اور بڑے تھے، پہلا سمینار تو اتر پردیش اردو اکاڈمی کی جانب سے لکھنؤ میں ۲۲ تا ۲۴ جون کو ہوا اور دوسرا ۲۴ تا ۲۶ ستمبر کو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ہوا، جس میں شرکت کے لئے پاکستان سے جناب ممتاز حسن، جناب شان الحق حقی اور جناب مسعود احمد برکاتی تشریف لائے تھے، پاکستان کے مزید چند اشخاص اور بنگلہ دیش کے دو حضرات عین وقت پر بعض موانع پیش آجانے کی وجہ سے نہیں آسکے۔

بمبئی سے پروفیسر ظ انصاری اور باقر مہدی، حیدر آباد سے پروفیسر انور معظم، پروفیسر عبد المغنی تبسم اور یوسف سرمست شریک ہوئے، تروپتی سے ڈاکٹر رضی الدین، پٹنہ سے ڈاکٹر عبد المغنی اور [illegible]، بھاگلپور سے پروفیسر لطف الرحمان اور لکھنؤ سے کاظم علی خاں صاحب نے شرکت کی۔

دہلی اور علی گڈھ کے مقالہ خوانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا نام گنانے میں اندیشہ ہے کہ بعض لوگوں کا نام نہ آسکے۔ جناب ریاض الرحمان خاں شروانی کو مولانا سے غیر معمولی تعلق بھی ہے اور مولانا کا ان کا مطالعہ بھی وسیع اور گہرا ہے مگر وہ افتتاحی جلسہ کے بعد نظر نہ آئے۔

مولانا آزاد لائبریری میں ایک اچھی نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا تھا جس میں مولانا کی تصنیفات اور

یادگار تصویروں کو سلیقہ سے سجایا گیا تھا اس میں مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریروں اور خطوط کو بھی نمایاں کرنے کی ضرورت تھی، ایک روز علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے کارناموں کو واضح کرنے کے لئے ایک فلم بھی دکھائی گئی۔

۴؍ ستمبر کو ۱۱ بجے دن میں افتتاحی جلسہ کنیڈی ہال میں ہوا اور افتتاح مرکزی وزیر مملکت جناب رفیق عالم نے کیا، اس میں وائس چانسلر جناب سید ہاشم علی، روبندر کمار، پروفیسر حبیب عرفان اور قاضی عبدالستار (ڈائریکٹر سیمینار وصدر شعبۂ اردو) نے بھی اپنی تقریروں سے حاضرین کی معلومات میں اضافہ کیا، روبندر کمار کی تقریر دلچسپی سے سنی گئی۔

اسی روز سہ پہر میں مقالات کی نشست جناب سید حامد سابق وائس چانسلر کی صدارت میں شروع ہوئی۔ دوسرے روز کے جلسہ کی صدارت بالترتیب پروفیسر آل احمد سرور اور جناب ممتاز حسن (پاکستان) نے کی جس میں راقم نے اپنا مقالہ "قرآن مجید کا تصور رحمت الٰہی اور مولانا ابوالکلام آزاد" پیش کیا تھا۔ تیسرے دن کے جلسوں کی صدارت پروفیسر سید عقیل رضوی (الہ آباد) اور ڈاکٹر محمد حسن (دہلی) نے کی، جناب ممتاز حسن، جناب سید حامد، ڈاکٹر وحید اختر، پروفیسر عبدالمغنی، پروفیسر ظ۔ انصاری، پروفیسر انور معظم وغیرہ کے مقالات زیادہ بحث و گفتگو کا موضوع رہے اور ان کے بعض نکتوں سے شدید اختلاف کیا گیا۔

سمینار کا خاص موضوع مولانا آزاد اور قومی تحریک تھا، اس کے علاوہ مولانا کی مذہبی و سیاسی فکر کے سلسلہ میں ترجمان القرآن اور انڈیا ونس فریڈم کے مندرجات بھی زیر بحث آئے اور علی گڈھ تحریک اور سرسید کے بارے میں مولانا کے نقطۂ نظر نیز ان کے اسلوب و طرز نگارش پر اچھے اور مفید مضامین پڑھے گئے۔

یہ امر افسوس ناک ہے کہ بعض لوگ مولانا کی عظمت کو مجروح کرنے کیلئے ان پر جا و بیجا اعتراض کو ضروری سمجھتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ مولانا انسان تھے، فرشتہ نہ تھے، لیکن ان کے مذہبی افکار پر عقلیت و

معروضیت کی آڑ میں ہر شخص کو اعتراض کا حق نہیں ہونا چاہئے۔ وحدت ادیان اور ایمان بالرسالت کے مسائل بھی خواہ مخواہ اٹھائے جاتے ہیں جن کے متعلق مولانا کی واضح اور قطعی تحریریں موجود ہیں، اسی طرح ان کی تفسیر میں ان کے سیاسی فکر کی چھاپ دکھانا بھی ایک ناروا جسارت ہے۔

ایک خاص حلقہ کی جانب سے مولانا کی سیاسی فکر و رائے کی غلطیاں بھی نمایاں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن جناب سید حامد نے لکھنؤ اور علی گڈھ کے اپنے مقالوں میں اہم دستاویزات (TRANSFER OF POWER) (۱۹۴۲-۴۷) کی روشنی میں ناقابل تردید شواہد سے مولانا کی سیاسی بصیرت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے، اس سمینار میں انڈیا ونس فریڈم کے بارے میں انہوں نے راج موہن گاندھی کی کتاب کا مبسوط جائزہ لے کر اس کی حقیقت پوری طرح ظاہر کردی ہے مگر اس کے باوجود وہ لوگ جن کا تقدیر پر غالبا ایمان بھی نہیں ہے۔ یہی کہے جارہے ہیں کہ تقسیم ہند تو مقدر ہو چکی تھی اور مولانا کے سیاسی اندازے غلط تھے۔ دراصل ان لوگوں کا ردعمل سیاسی ہے غالباً اسی وجہ سے وہ گاندھی جی اور سردار پٹیل کے بارے میں مولانا کے خیالات پر زیادہ برہمی نہیں ظاہر کرتے مگر پنڈت جواہر لال نہرو کے تعلق سے زیادہ برہمی ظاہر کی جاتی ہے۔ مولانا کی قد آور شخصیت کو اس طرح کے اعتراضات ظاہر ہے، چھوٹا نہیں کرسکتے ہیں۔

مجموعی حیثیت سے سمینار کامیاب رہا۔ اور اس سے مولانا کی عظمت و کمال کے گوناگوں پہلو سامنے آئے۔ قاضی عبدالستار، ان کے رفقائے کار اور شعبۂ اردو کے اساتذہ وطلبہ نے اس کی کامیابی اور مہمانوں کو آرام و راحت پہنچانے کے لئے شب و روز ایک کردیا تھا جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

تلخیص و تبصرہ

مطالعہ تصوف (۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء تک)

پاکستان کے موقر علمی مجلہ سہ ماہی ہمدرد اسلامیکس کے شمارہ ۵ ء۲ میں سید حسین نصر پروفیسر ٹمپل یونیورسٹی فلاڈلفیا کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، اس میں ۵۰ء سے ۷۰ء کے اوائل تک تصوف پر شائع ہونے والی مشرق و مغرب کی اہم کتابوں کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے، قارئین معارف کی دلچسپی کے لئے اس مضمون کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ (ع ص)

اس صدی کی چھٹی اور ساتویں دہائی میں یورپ کے اہل قلم نے علوم اسلامی اور خاص طور پر علم تصوف سے بڑے شغف کا اظہار کیا ہے، اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے جذبہ کے علاوہ مغرب کی روحانی تشنگی کو بھی اس میں بڑا دخل ہے، پہلے مستشرقین کا خیال تھا کہ تصوف ایک غیر اسلامی نظریہ ہے لیکن اب یہ اعتراف عام ہے کہ تصوف اسلام کا اصلی جوہر ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں سے اس کا قریبی تعلق ہے، اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ دنیا میں روحانیت اور تزکیہ نفس کا یہ سب سے موثر طریقہ سمجھا جاتا ہے، مستشرقین کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ مسلمان اہل قلم نے بھی اس عرصہ میں تصوف کا سنجیدہ اور دقیق مطالعہ کیا ہے گو یہ مطالعہ گزشتہ ایک صدی سے جاری ہے لیکن تصوف کا جو سرمایہ عربی اور فارسی زبان میں ہے وہ اتنا جامع، متنوع اور ہمہ گیر ہے کہ اس میں اب بھی علم و تحقیق کا دائرہ صرف چند بنیادی کتابوں تک ہی محدود ہے، ۵۰ء سے ۷۰ء تک کے ابتدائی برسوں کا دور مطالعہ تصوف کے سلسلہ میں اس لئے زیادہ اہم ہے کہ اس میں چند نمایاں تحقیقی کام

سامنے آئے، مثلاً امام قشیری کی تفسیر قرآن لطائف الاشارات کو I. BASYUNI نے چھ جلدوں میں مرتب کرکے ۶۸ء، ۷۱ء میں قاہرہ سے شائع کیا، الحکیم ترمذی کی کتاب ختم الولایت مرتبہ او، یحیی، بیروت سے شائع ہوئی، خواجہ عبداللہ انصاری کی منازل السائرین و شرح منازل السائرین کو S. DE. BEAURECUEIL نے تین جلدوں میں ۵۳ء، ۶۲ء میں قاہرہ سے شائع کیا، امام غزالی کی کتابیں، ہمیشہ کی طرح اہل علم کی توجہ کا مرکز رہیں، احیاء علوم الدین ۶۳ء میں چار جلدوں میں اور میزان العمل مرتبہ S. DUNYA ۶۶ء، ۶۷ء میں قاہرہ سے طبع ہوئیں، وسط ایشیا کے مکتب تصوف سے بھی مشرق کے ساتھ مغرب میں بھی دلچسپی ظاہر کی گئی، اس مکتب تصوف کی چند اہم کتابیں، ایران اور یورپ سے شائع ہوئیں، جن میں سب سے اہم نجم الدین کبری کی فوائح الجمال ہے اسے F. MEIER نے مرتب کرکے ویسبیڈن سے ۵۷ء میں شائع کیا لیکن اس مکتب فکر کی دوسری کئی اہم کتابیں خصوصاً علاء الدین سمنانی کی تمام کتابیں ۷۰ء کے اوائل تک غیر مرتب تھیں، محی الدین ابن عربی کی کتابوں پر اہل علم کی خاص توجہ رہی، عرب میں ان کی دوسری تحریریں طبع ہوئیں گو ان میں زیادہ تر تشنہ تنقید و تحقیق تھیں، مگر الفتوحات المکیہ کو پہلی بار او، یحیی نے بہترین تحقیق و تعلیق کے بعد شائع کرنا شروع کیا، ۷۲ء میں قاہرہ میں اس کی پہلی جلد طبع ہوئی، یہ ایڈیشن، فتوحات کے ایک قدیم ترین مخطوطہ کے مطابق ہے جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ خود ابن عربی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھا، البتہ ابن عربی کے ایک عزیز شاگرد صدر الدین قونوی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی، تاہم ان کی ایک کتاب اعجاز البیان فی تاویل ام القرآن مرتبہ اے احمد عطا، ۶۹ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی، مولانا جلال الدین رومی کی شاعری بھی اس عرصہ میں موضوع بحث و نظر رہی، ان کے دیوان کو بی، فروز انفر نے چھ جلدوں میں مرتب کیا اور دیوان شمس تبریز کے نام سے ۵۷ء، ۶۱ء میں تہران سے شائع کیا، مولانا رومی کے حلقہ فکر کے شمس الدین احمد افلاکی کی مناقب العارفین کو انی F. YAZ نے دو جلدوں میں ۵۹ء، ۶۱ء

یں القرہ سے شائع کیا، صوفیائے ایران میں، شاہ نعمت اللہ ولی کا دیوان اور کئی رسالے تہران کی نعمت اللہ خانقاہ سے شائع ہوئے، باقلی شیرازی کے دو رسالے کتاب ابحار العاشقین اور شرح شطحیات مرتبہ H.CORBIN اور ایم معین، ۵۸ء، ۶۶ء میں پیرس اور تہران سے شائع ہوئے، ان کتابوں کی اشاعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گو متاخرین صوفیہ پر بھی کام ہوا لیکن زیادہ توجہ متقدمین ائمہ تصوف سے ہی خاص رہی۔

یورپ میں تصوف کی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ، مغربی زبانوں میں ان کے ترجمے بھی ہوئے، چنانچہ فارسی شاعری کے ترجمے وہاں عام ہیں لیکن صوفیانہ تحریروں اور خاص طور پر نظریہ تصوف کے براہ راست مطالعہ سے ایسے لوگ محروم رہے جو مشرقی زبانوں سے واقف نہیں ہیں، ہمارے جائزہ کے زمانہ میں جو ترجمے ہوئے ان میں سب سے عمدہ نمونے A.J.ARBERRY کے ہیں جنہوں نے عطار و رومی کے کلام کو DISCOURSES OF RUMI (۶۱ء) TALES FROM THE MATHNAWI (دو جلدیں ۶۱، ۶۳ء) اور MUSLIM SAINTS AND MYSTICS (۶۶ء) میں لندن اور شکاگو سے شائع کیا، انہوں نے ابن الفارض کے عربی کلام کا ترجمہ بھی THE MYSTICAL POEMS OF IBN AL-FARID کے نام سے ۵۶ء میں ڈبلن سے شائع کیا۔ ان کے علاوہ ابن عطاء اللہ اسکندری اور ابن عباد الرندی پر P.NWIYA نے فرانسیسی میں بیروت سے ۶۱ء اور ۷۲ء میں دو کتابیں شائع کیں، ابن العربی پر T.BURCKHARDT نے ۵۵ء میں پیرس سے فرانسیسی میں ایک کتاب شائع کی اور H.KOFLER نے ۷۰ء میں GRAZ سے فصوص الحکم کا ترجمہ کیا، جس میں نظریہ تصوف کے متعلق قیمتی حواشی بھی دیئے گئے ہیں، فصوص کا ترجمہ جرمن میں بھی ہوا مگر وہ زیادہ کامیاب نہیں ہے، ابن العربی کے دو رسالوں کا انگریزی ترجمہ SUFI SAINTS OF ANDULUSIA کے نام سے آر، ڈبلیو، جے آسٹن نے ۷۱ء میں لندن سے شائع کیا، ترجموں میں بھی متاخرین صوفیہ کو متقدمین کے مقابلہ میں کم توجہ ملی، صرف ابن عجیبہ کی سوانح حیات کا ترجمہ J.L.MICHON نے ۶۹ء میں لیڈن سے شائع کیا اور شیخ الدرقاوی کے قیمتی مکتوبات کو BURCKHARDT نے LETTERS OF A SUFI MASTER کے نام سے ۶۹ء میں لندن سے شائع کیا۔

نظریہ تصوف اور تاریخ تصوف جیسے موضوعات پر اسلامی اور یورپی زبانوں میں کئی کتابیں طبع ہوئیں، مثلاً اے عفیفی کی التصوف، الثورۃ الروحیہ فی الاسلام، قاہرہ سے ۶۳ء میں طبع ہوئی، سید حسین نصر کی صوفی ایسیز لندن سے ۷۲ء میں شائع ہوئی، پیرس سے ۶۴ء میں L.GARDET اور M.M.ANWATI کی کتاب LA MYSTIQUE MUSULMANE شائع ہوئی، ان کتابوں میں تصوف کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی، تصوف اور دوسرے علوم اسلامی کے ربط و تعلق پر بھی کئی اچھی کتابیں لکھی گئیں جن میں SCHUON کی انڈرسٹینڈنگ اسلام مطبوعہ لندن ۶۳ء و بالٹی مور ۷۲ء، سید حسین نصر کی آئیڈیلز اینڈ ریلیٹیز آف اسلام، مطبوعہ لندن ۶۶ء، ۷۲ء بوسٹن ۷۲ء اور ایم کے الشابی کی الصلہ بین التصوف والتشیع دو جلدیں مطبوعہ بغداد ۶۳ء، ۶۴ء قابل ذکر ہیں۔

تاریخ تصوف پر بھی کئی کتابیں طبع ہوئیں ان میں MASSIGNON کے ابتدائی کام کے بعد GARDET اور MOLE کی کتابیں پیرس سے ۶۴ء میں اور MASSIGNON کا ایک مجموعہ مضامین مرتبہ والی، مبارک تین جلدوں میں ۶۳ء، ۶۴ء میں بیروت سے شائع ہوا۔ ایران، ہندوستان اور ملیشیا کے صوفیہ پر بھی قابل قدر کام ہوا، مثلاً سی، رائس کی دی پرشین صوفیز، مطبوعہ لندن ۶۴ء اے، اے رضوی کی مسلم ریوائیولسٹ ان نارتھ انڈیا مطبوعہ آگرہ ۶۵ء اور بی، ایم، این العطاس کی THE MYSTICISM OF HUMZAH FANSURI مطبوعہ کوالالمپور ۱۹۷۰ء وغیرہ، طبقات الصوفیہ پر بھی از سر نو تحقیق و تالیف کا آغاز ہوا ہے۔ مختلف علاقوں اور سلاسل صوفیہ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں N.ZIADEH کی دی سنوسیہ مطبوعہ لیڈن ۵۸ء، جے ایم ابوالنصر کی THE TIJANNIYA مطبوعہ لندن ۶۵ء اور R.GRAMLICH کی کتاب مطبوعہ WIESBADEN ۶۵ء قابل ذکر ہیں، جے، ایس ٹرمنگھم کی کتاب دی صوفی آرڈرس ان اسلام مطبوعہ لندن ۷۱ء اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں صوفیہ کے مختلف پہلوؤں کی عام تاریخ آگئی ہے لیکن طبقات صوفیہ کے تقابلی مطالعہ اور مفصل جائزہ کی ضرورت اب بھی باقی ہے، صوفیائے کرام پر بھی اچھا مواد فراہم ہوا، شیخ جنید پر اے، ایچ عبدالقادر کی کتاب دی لائف، پرسنالٹی اینڈ رائٹنگس آف الجنید، لندن میں ۶۲ء میں طبع ہوئی، خواجہ عبداللہ

انصاری پر ایک کتاب کا ذکر آچکا ہے، امام غزالی پر F. JABRE کی کتاب بیروت سے ۶۵ء میں نکلی، یہ کتاب بڑی اہم ہے، ابن العربی، عطاء اللہ اسکندری، ابن عباد رندی اور شیخ العلاوی پر کتابوں کا ذکر گزر چکا ہے، ایم لنگز نے شیخ العلاوی کی چند نظموں کا بھی نہایت نفیس ترجمہ کیا ہے۔

نظریہ تصوف اور صوفیہ کی تعلیمات کے موضوع پر بھی خاصا لٹریچر تیار ہوا MASSIGNON کے علاوہ NWIYA نے قرآن مجید کے الفاظ و بیان سے صوفیانہ مصطلحات کے ربط پر ایک عمدہ کتاب EXEGESE CORANIQUE ET LANGUAGE MYSTIQUE بیروت سے ۷۰ء میں شائع کی، مسلمان اہل قلم نے بھی کئی اچھی کتابیں لکھیں۔ مثنوی مولانا روم اور فصوص الحکم کی اہم شرحیں لکھی گئیں FRUSANFAR کی شرح کا ذکر اوپر آچکا ہے، جے ہمائی کی شرح مثنوی مولوی بھی تہران سے ۷۰ء میں شائع ہوئی، ایس، جے آشتیانی کی شرح مقدمہ قیصری بر فصوص الحکم ابن عربی اشہد سے ۶۵ء میں شائع ہوئی، ڈاکٹر میر ولی الدین کی لو آف گاڈ مطبوعہ نئی دہلی ۶۸ء اور دی قرآنک صوفی ازم مطبوعہ دہلی ۵۹ء اور سید حسین نصر کی صوفی ایسیز مطبوعہ لندن ۷۲ء اور تھری مسلم سیجیز مطبوعہ کیمبرج ۶۴ء بھی اس موضوع پر قابل قدر کتابیں ہیں۔

قریب کے برسوں میں، مغرب میں، نظریہ تصوف کی الہیاتی تشریح بڑی خوبی سے کی گئی ہے، مستشرقین نے اہل مغرب کے لئے تصوف کا روحانی اور مابعد الطبیعی تعارف بہتر طریقہ سے کرایا، اس سلسلہ میں SCHUON کی انڈرسٹینڈنگ اسلام، ڈائمنشن آف اسلام، برخارڈ کی این انٹروڈکشن ٹو صوفی ڈاکٹرائن اور لنگز کی کتابیں اہم ہیں لیکن شیون کی کتاب سب سے بہتر ہے، ان تمام کتابوں میں ابن العربی اور ان کے مکتب فکر کے خیالات کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے، کاربن کی ایک فرانسیسی کتاب مطبوعہ پیرس ۵۸ء اور CREATIVE IMAGINATION IN THE SUFISM اور T. IZUTSU کی A COMPARATIVE STUDY OF THE KEY PHILOSOPHICAL CONCEPTS IN SUFISM AND TAOISM مطبوعہ پرنسٹن ۶۹ء OF IBN EARABI

میں بھی زیادہ تر ابن العربی کے خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ٹی ازتسو اپنے مزاج کی وجہ سے نظریہ تصوف کے مستند ترجمان کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

اسلامی تہذیب کے دوسرے پہلوؤں خصوصاً سائنس اور فلسفہ سے تصوف کے تعلق پر بھی داد تحقیق دی گئی ہے، ابن رشد کے عہد کے بعد کا مطالعہ اسی زاویہ سے کیا گیا، ازتسو کاربن اور سید حسین نصر کی مذکورہ بالا کتابوں میں ایسے مباحث موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی سائنس کی ترقی میں تصوف کا دخل نہایت اہم رہا ہے، یہ بحث بادی النظر میں غیر متصوفانہ بلکہ متشککانہ معلوم ہوتی ہے، لیکن اب اس نقطہ نظر کو علمی تائید حاصل ہو رہی ہے، تاہم اس موضوع پر ابھی اور زیادہ سنجیدہ اور دقیق مطالعہ کی ضرورت ہے، تاکہ اسلامی تہذیب میں تصوف کا مرکزی کارنامہ پوری طرح واضح ہو سکے۔

موجودہ عصر اور عصری مسائل سے تصوف کے تعلق کے لحاظ سے سنجیدہ عقلی اور روحانی مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے، شیون اور سید حسین نصر کی مذکورہ کتابوں میں ایسی کئی بحثیں ملتی ہیں۔

اس مختصر جائزہ سے یہ بات عیاں ہے کہ مغرب میں تصوف سے دلچسپی روز افزوں ہے، لیکن تصوف کے سنجیدہ طالب علموں کے مقابلہ میں اب بھی ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو مسائل تصوف کی ترجمانی غیر سنجیدہ اور محض شاعرانہ نکتہ آفرینیوں ہی تک محدود رکھتے ہیں اور اسی لئے تصوف کی حقیقی روح و ماہیت ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔

گزشتہ دو دہائیوں میں جو قابل قدر کام ہوا ہے اس کی روشنی میں مزید کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے تصوف کی معتبر، مستند اور امہات کتب کے ترجموں اور تشریح و توضیح کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

(ع۔ ص)

اخبارِ علمیہ

بابری مسجد کا قضیہ عدالت میں ہے، اس کا عدالتی نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو مگر اس معاملہ نے بہت سے غیر مسلم دانشوروں کے ذہن و ضمیر کو بھی بیدار کر دیا ہے، قومی پریس کی جانبداری تو عیاں ہے تاہم بعض تحریریں دیکھ کر مسرت و حیرت ہوتی ہے، ٹائمز آف انڈیا کے ایک شمارہ میں ستیہ پال ڈانگ نے بابری مسجد کے حقائق کو بڑی جرأت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ مطالبہ صحیح ہے کہ جہاں رام چندر جی پیدا ہوئے وہاں مندر ہونا چاہیئے، مگر آج ایک بھی مہنت اور پوجاری، یقین کے ساتھ رام چندر جی کی جائے پیدائش کا تعین نہیں کر سکتا ہے، اس وقت اجودھیا میں چھ رام مندر ہیں اور ان سب کے پجاریوں کا دعوی ہے کہ رام جی انہیں کے مندر میں پیدا ہوئے، اس کے علاوہ اجودھیا میں راجہ دسرتھ کا محل بھی ہے جہاں رام جی کی ماں کوشلیا رہتی تھیں، اس میں رام جی کی پیدائش زیادہ قرین قیاس ہے۔ یہ محل، بابری مسجد سے بہت دور ہے، ایسی صورت میں بابری مسجد کو ہی جائے پیدائش قرار دینا اور اس کے انہدام کے درپے ہونا، ہندوستان کے مستقبل کے ساتھ خطرناک کھیل ہے۔" انہوں نے یہ منصفانہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ تمام عبادت گاہوں کو اس نوعیت پر باقی رہنے دینا چاہیئے جو ۱۵ اگست ۴۷ء کو انہیں حاصل تھیں۔

اگر انسانی سرشت ایک طرف تاریخی حقائق کی منکر ہے تو دوسری جانب کائنات کے سربستہ رازوں کو پالینے کی جستجو میں بھی مصروف ہے، امریکا کا خلائی جہاز وائجر ۲، ۲۴ اگست کی صبح کو پہلی بار سیارہ نیپچون کے قریب سے گزرا تو اس سیارہ کی تصویروں کا انسان نے پہلی مرتبہ مشاہدہ کیا، وائجر ۱، ۲ نے ۷ بلین ۲ ملین کیلومیٹر کا یہ سفر ۱۲ سال میں

طے کیا اس عرصے میں نیپچون کے علاوہ مشتری، زحل اور یورانس سیارے اور کم از کم ۵۶ چاند اس کی راہ میں آئے، وائجر نے ۸۱ ہزار تصویریں بھیجیں، نیپچون کے چھ چاند پہلے معلوم ہو چکے تھے مگر بعد میں دو اور چاندوں کا انکشاف ہوا، نیپچون کے گرد، شہابی پتھروں کے تین ہلکے اور دو دبیز دائروں کا بھی علم ہوا، یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک حلقہ میں کم از کم چھ چھوٹے چاند ہیں، نیپچون کی نیلگوں فضا میں ایک طوفانی گرداب بھی دکھائی دیا جسے گریٹ ڈارک اسپاٹ کا نام دیا گیا ہے اس میں ۱۵۸ ۰ کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائیں چلتی ہیں۔ اس کے قطب کی روشنی کی غیر مرئی شعائیں اور قدرتی گیس کے سنبل نما بادل اپنے سے بہت نیچے کے بادلوں پر اپنا عکس ڈالتے ہیں، نیپچون کی مقناطیسی سطح کو ایک رقیق سیال متحرک رکھتا ہے جو ایک پایاب اور مدور خول میں ہے جب کہ کرہ ارض میں یہ عین قلب کی گہرائیوں میں ہے، چونکہ یہ سیارہ سورج سے سب سے دور واقع ہے اس لیے سورج سے حاصل ہونے والی حرارت زمین کے مقابلہ میں ایک ہزارویں حصہ سے بھی کم ہے، اس قدر کم حرارت کے باوجود وہاں طوفانی ہوائیں کیسے چلتی ہیں، سائنسدانوں کو اس کا جواب نہیں مل سکا ہے، نیپچون کے گلابی اور انتہائی سرد قمر زہریر ٹریٹون پر دو قسم کے برف فشاں پہاڑ ہیں، ان کے دہانے ۳۰۰ میٹر تک گہرے ہیں اور یہ سمندر کے طوفانوں کی طرح برف اگلتے رہتے ہیں، یہ نائٹروجن برف کو ۴۰ کیلومیٹر کی بلندی تک ۹۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے خارج کرتے رہتے ہیں، ان تصویروں اور اطلاعات نے سائنسدانوں کی عقل و روح کے لیے سامان نشاط مہیا کر دیا ہے ایک سائنسداں نے کہا کہ "اگر اپنی زمین کو سمجھنا ہے تو جہان غیر کو دیکھو" وائجر ۱، ۲ کی بیٹریاں ۲۰۲۰ء میں ختم ہو جائیں گی، اس کے بعد ویڈیو ڈسک اور دنیا میں ریکارڈ کی ہوئی آوازوں کو لے کر یہ جہاز، کہکشاں کے مرکز کے اردگرد اربوں کھربوں سال تک گردش کرتا رہے گا کہ

شاید کبھی کوئی اور زیادہ تہذیب یافتہ مخلوق ان تصویروں اور آوازوں کو دیکھ اور سن سکے۔ سائنسدانوں کے خیال میں نیپچون کے پرے، سرد تاریکیاں ہیں۔

وائیجر کی اطلاعات ابھی باعثِ حیرت تھیں کہ امریکی ماہرینِ فلکیات نے ایک نہایت عظیم اور آہستہ رو ہائیڈروجن بادل کا مشاہدہ کیا، اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ دنیا کی قدیم ترین کہکشاں ہے جو ابتدائے آفرینش سے موجود تھی، معلوم ہوا کہ اس کہکشاں میں اب بھی سیارے اور ستارے بنتے جاتے ہیں، اس انکشاف سے اس خیال کو بھی تقویت ملی کہ کائنات میں کہکشانوں کی تکوین وتخلیق کا عمل اب بھی جاری ہے جو دراصل کل یوم ھو فی شان کی عملی تفسیر بھی ہے۔

آسمانوں اور زمین کے ساتھ سائنسداں، انسانی جسم کے اندرونی نظام کو سمجھنے کی بھی سعی کر رہے ہیں، جاپانی سائنسدانوں نے اب ایک بہت چھوٹا سا روبوٹ بنایا ہے جو انسانی جسم کے اندر دوسرے اعضاء و جوارح کی طرح متحرک رہ سکتا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ جسم کی نسیجوں اور خلیوں کا تعین کر کے ان کا علاج خود کر سکے، ٹوکیو یونیورسٹی کے پروفیسر ایواؤ فوجی ماسا نے یہ بھی بتایا کہ اگلے سال ایک اور مائیکرو روبوٹ تیار ہو جائے گا جو نسیجوں کی دبازت کو ناپنے میں مددگار ہوگا۔

ایک اور دلچسپ خبر یہ ملی کہ سوویٹ کمیونسٹ پارٹی کے بانی لینن اور ان کے جانشین اسٹالن کے دماغوں کا تجزیہ سائنس داں اس حیثیت سے کر رہے تھے کہ دماغی ساخت اور اشخاص کے خیر وشر کی صلاحیت میں بھی کوئی رشتہ ہوتا ہے یا نہیں؟ ۱۹۲۴ء سے لینن کا دماغ، سائنسدانوں کے دماغوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور اب سائنسدانوں نے اس مذکورہ سوال کے جواب میں ناکامی کا اعتراف کر لیا ہے۔ (ع۔ص)

ادبیات

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

از: پروفیسر شاہ سید معین الدین حسن، مسند نشین و خادم حضرت خواجہ غریب نواز، اجمیر

مطلعِ فردوسِ ایماں، روئے زیبائے رسول
دولتِ جاوید عرفاں، حسن بیضائے رسول

جنتِ چشم لطافت، قدِ رعنائے رسول
گلشنِ شادابِ رحمت، خوئے زیبائے رسول

دل کا ہر گوشہ، مدینہ زارِ عرفاں ہو گیا
مرحبا! اعجاز پاشیٔ تولّائے رسول!

بیکسیٔ شرمِ عصیاں، ملتجیٔ رحم ہے
المدد! اے کوثر و تسنیم لبہائے رسول

شیوۂ رحمت کے قرباں، مژدۂ لا تقنطو
دل نوازِ شرمِ عصیاں ہے، یہ ایمائے رسول

دیدۂ بینا، دل بیدار، کیف سرمدی
سائے گوہر تجھ پہ قرباں، اے تولّائے رسول

فطرتِ انساں، نثارِ ہر ادائے دین ہے
وہ متاعِ امن و خیر و عدل و حق، لائے رسول

قدسیاں جنت بداماں، بہرِ تمکیں ساتھ ہیں
شاہدانِ ناز دیکھی، شانِ شیدائے رسول

حسنِ نایابِ ازل کی آرزوئے دید میں
جانبِ محشر نکل آیا ہے شیدائے رسول

نازو اندازِ تہی دستانِ الفت کچھ نہ پوچھ
"لا" "زباں پہ دم "اللہ" میں سر میں سودائے رسول

صدق و رحم و خیر و عدل و عفو و احسان و کرم
مرحبا اصلی علیٰ! اخلاقِ زیبائے رسول

جو بھی فرمایا تو پہلے خود عمل اس پہ کیا
داعیانِ حق میں یہ بھی شانِ یکتائے رسول

کعبۂ اربابِ ناز و قبلۂ اہلِ نیاز
مرکزِ چشمِ دو عالم، بابِ خضرائے رسول

دردمندانِ محبت میں حسن کی خستگی
قابلِ لطف و کرم ہے اے تمنائے رسول

مطبوعات جدیدہ

دی ریلیجن ریفارمرزان اسلام (THE RELIGION REFORMERS IN ISLAM)
مصنف کا نام درج نہیں، کاغذ طباعت عمدہ، صفحات ۲۶۲، تقطیع متوسط، قیمت ترکی سکہ میں ۱۵۰۰ لی ایل، پتہ، حقیقت کتابوے، استنبول، ترکی۔

ترکی کا ادارہ وقف اخلاص انگریزی، عربی، فرانسیسی، ترکی، فارسی اور اردو زبان میں کئی مذہبی کتابیں شائع کر چکا ہے، اس سے پہلے اس کی چند انگریزی مطبوعات کا ذکر ان صفحات میں آچکا ہے، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، کتاب کے نام سے بہ ظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں امت کے مجددین و مصلحین کے حالات درج ہوں گے، لیکن مصنف نے شروع ہی میں وضاحت کردی ہے کہ اس کتاب میں بیرون ترکی کے ان مصلحین کی تردید کی گئی ہے جو ان کے خیال میں رفض و تشیع، بدعت اور خلافِ سنت و مذہب امور کے لیے مشہور ہیں، ان کے خیال میں مصلحین کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم کو وہ برگزیدہ علمائے اہلسنت کا نام دیتے ہیں جیسے ماضی میں امام مجدد الف ثانی اور مستقبل میں حضرت مہدی، دوسرے طبقہ میں وہ علماء ہیں جو قرآن و حدیث پر کامل اعتقاد رکھنے کے باوجود ہر مسئلہ میں علمائے سلف کی پیروی کو ضروری نہیں سمجھتے، ان کے خیال میں یہ اہل بدعت ہیں، تیسرے گروہ والے اپنے کو مسلمان کہنے اور اسلام کے احیائے نو کا دعوی کرنے کے باوجود آیات واحادیث کی ایسی تعبیر و تفسیر کرتے ہیں جو اسلام کی بنیاد کو متزلزل کر دینے والی ہیں، مصنف کے نزدیک یہ لوگ بدعقیدہ اور اسلام کے دشمن ہیں، ریلیجن ریفارمرز سے مراد لامذہب اور غیر اہل سنت مصلحین ہیں (ص ۱۰۸) جن کی بہ ظاہر دلکش اور پُرفریب تحریریں نوجوان نسل کو

اپنا حلقہ بہ گوش بنا لیتی ہیں، اسی لیے ان کے رد و ابطال کو وہ وقت کا تقاضہ بتاتے ہیں، اس سلسلہ میں مصنف نے جن مصلحین کے اقوال و افکار کا رد کیا ہے ان میں موسیٰ جار اللہ، جلال نوری بیگ، جمال الدین افغانی، محمد بن عبدالوہاب، محمد عبدہ، مولانا محمد الیاس، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور سید قطب وغیرہ شامل ہیں، ان کے علاوہ امام ابن تیمیہؒ، مولانا گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا تھانوی وغیرہ پر بھی جابجا تعریض کی گئی ہے، مولانا محمد یوسف کی حیاۃ الصحابہؓ سے تو مصنف خوش ہیں مگر وہ بھی ان کے معیار اور کسوٹی پر پورے نہیں اترتے (ص ۲۰۸) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے وہ اس لیے ناراض ہیں کہ مولانا امام مجدد الف ثانی کی تعریف کے ساتھ شاہ اسماعیل دہلوی، میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، دارالعلوم دیوبند اور تبلیغی جماعت کے بھی مداح ہیں (ص ۲۰۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو بھی مصلح بتا کر انہیں قابلِ اصلاح سمجھا گیا ہے، مصنف کے خیال میں ڈاکٹر صاحب کا علم سطحی ہے اور ان کی شہرت تمامتر پیرس کے ایک علمی ادارہ سے وابستگی کا نتیجہ ہے (ص ۲۴۹، ۲۴۶) ندوہ اور تبلیغی جماعت کے متعلق بھی ایسے ہی غیر معتدل خیالات ظاہر کیے گئے ہیں، مصنف سب سے زیادہ امام مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت سے متاثر ہیں۔ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو وہ ہندوستان کا عظیم عالم سمجھتے ہیں، مصنف نے مولانا عبدالعلیم صدیقی اور مولوی ابو احمد کبیر الا کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان حضرات نے رد تبلیغ میں ناقابل تردید کتابیں لکھی ہیں ۔ کتاب کے آخر میں مولانا بریلوی کے فتاوی حرمین کے دس منتخب فتاوی کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے، مصنف نے ائمہ اربعہ، علمائے سلف اور عقیدہ اہل سنت سے اپنے تعلق کا بار بار ذکر کیا ہے ان کی تحریر سے یک گونہ اسلام سے تعلق اور دردمندی کا بھی پتہ چلتا ہے، مگر اولاً تو انہوں نے اختلافات کے اظہار میں

سنجیدگی اور شائستگی کا کوئی خیال ہی نہیں رکھا ہے اور جس کو اپنا مخالف سمجھا اس کے بارے میں ثقاہت و شرافت سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ دوسرے ان کے خیالات بھی نہایت غیر متوازن اور قابلِ اصلاح ہیں، اسی طرح مصلحین کی ان کی سہ گانہ تقسیم بھی حقائق سے بعید ہے، ہمارے پیش نظر کتاب کا ساتواں ایڈیشن ہے اس سے اس کی مقبولیت تو ضرور ظاہر ہوتی ہے مگر اس کے مباحث کا جو اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے اس سے مصنف کی ذہنی پراگندگی، غیر معتدل خیال اور ناشائستگی تحریر و بیان کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ (ع۔ ص)

فرہنگ کلیاتِ میر۔ مرتبہ ڈاکٹر فرید احمد برکاتی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر صفحات ۸۵۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت ۱۵۰ روپے، پتے (۱) موڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹ گولہ مارکیٹ دریا گنج، نئی دہلی (۲) مسکین بکڈپو، موتی ڈونگری روڈ جے پور (راج) (۳) دانش محل امین آباد، لکھنؤ۔

مولانا حکیم سید برکات احمد ریاست ٹونک کے شاہی طبیب اور بڑے ذی علم و کمال شخص تھے، ان کا خاندان بہار سے ٹونک چلا آیا تھا جہاں کے آسمانِ علم و حکمت پر وہ اب بھی اپنی چمک دمک دکھا رہا ہے، زیر نظر کتاب کے لائق مصنف بھی اسی خانوادۂ علم کے چشم و چراغ اور راجستھان یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچرار ہیں، ان کو اپنے اسلاف سے علم و تحقیق کا ذوق ورثے میں ملا ہے، ان کی اس کتاب پر راجستھان یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی ہے، یہ خدائے سخن میر تقی میر کی کلیات کی مبسوط فرہنگ ہے، میر کے حالات و کمالات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ان کے کلام کی فرہنگ غالباً پہلی مرتبہ اس قدر تفصیل، محنت اور تحقیق سے تیار کی گئی ہے، جس سے میر کے کلام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی اور اردو طلبہ و اساتذہ کے لیے تو یہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ فرہنگ کی ترتیب بھی کم اہم نہ تھی لیکن مصنف نے شروع میں اس پر ایک مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں بڑی تحقیق اور نہایت تلاش و جستجو سے میر اور عہد میر کے ادبی و لغوی مسائل و خصوصیات پر سیر حاصل بحث و تبصرہ کیا گیا ہے اور فرہنگ کی ترتیب و تدوین میں جو امور و اصول مدنظر رکھے گئے ہیں ان کی وضاحت کی ہے، یہ مقدمہ بھی بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے اور اس سے نوجوان مصنف کی اچھی استعداد اور بہتر ادبی، تنقیدی اور تحقیقی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ (ض)